رمضان المبارک ۱۳۴۹ ہجری

[illegible] ۱۹۳۱ء

یا فتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرفان

جلد ۲ | بابت فروری سنہ ۱۹۳۱ء مطابق رمضان سنہ ۱۳۴۹ھ | نمبر ۲

فہرست مضامین

نوائے تلخ

خطبۂ صدارت یوتھ کانفرنس ملتان پر ایک نظر

دسمبر کی آخری تاریخوں میں شیعہ یوتھ کانفرنس ملتان کا اجلاس ہوا جس کے صدر محترم حضرت مولانا سید احمد صاحب المعروف بعلامہ ہندی تھے، یہ ایک ظاہر امر ہے کہ ہر انجمن کے سالانہ اجلاسوں میں انتخاب صدر ایک خاص مسئلہ ہے اور صدر کی شخصیت کامیابی اجلاس کی بڑی حد تک ذمہ دار ہے، ہمارا خیال ہے کہ اس معاملہ میں حضرات ملتان نے علامہ موصوف کے انتخاب میں نہایت دقتِ نظر سے کام لیا، اور ایسی محترم ہستی کو جس سے اخباری دنیا کا ایک ایک بچہ واقف ہے انتخاب کر کے حیاتِ ملی میں ایک خاص جوش پیدا کر دیا،

مراسم استقبال میں جوش قومی کی نمائش جو یوتھ کانفرنس کی طرف سے ظاہر ہوئی، البتہ قابل داد ہے لیکن نگاہ ہمیشہ کے لئے وقف نظارہ ظاہر نہیں ہو سکتی، آخر تھک جاتی ہے اور کسی اور شے کی تلاش بھی اس کا فریضہ ہے، اور وہی شے روح اجلاس ہے،

معلوم ہے کہ خطبۂ صدارت ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اجلاسوں میں فقط ریزولیوشنز کا پیش و پاس کرنا ہی ایسا کام نہیں ہے جس کے لئے یہ اجتماع عمل میں آئے بلکہ خطبہ صدارت کی کوشش بھی برابر کی حصہ دار ہے،

میں نے حضرت صدر محترم کے خطبۂ صدارت کو فکر و غور سے پڑھا اور اس کے حقائق تک پہونچنے کی کوشش کی لیکن جس قدر قوت فکر کام کرتی گئی اسیقدر دلچسپی میں کمی ہوتی گئی، اگر خطبۂ صدارت کا مفہوم یہ ہے کہ ماضی و حال کا ماتم کیا جائے اور مستقبل کے لئے دلخوش کن خیالات کا سلسلہ قائم کر دیا جائے اس کے ساتھ ہی مصائب حالیہ کا تمام الزام کسی خاص جماعت کے ذمّے لگا دیا جائے تو یہ خطبہ نہایت کامیاب خطبہ ہے، لیکن اگر ہم قوموں کا فلسفۂ عروج و زوال نشو و نمائے روح ارتقا کے اسباب حقیقیہ تنظیم کی حقیقت اور اسکی ماہیت، روح الاجتماع کی حیات بعد الموت کا طریقہ وغیرہ ان امور کو اس خطبہ میں تلاش کریں تو غالباً اپنی سعی لاحاصل پر نادم ہونا پڑے گا،

سُنئے! مولانا نے جو کچھ بیان فرمایا ہے، آجکل کا ایک ورنیکلر مڈل پاس نوجوان جو اخباری دنیا سے آشنا ہو یہی باتیں کہدیگا، اور کہہ رہے ہیں پھر اگر کوئی مشتاق استفادہ مثلاً یہ خیال کرے کہ حضرت علامہ کے علم نے ہمیں کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچایا، تو وہ غریب گردن زدنی نہیں ہو سکتا اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس خطبہ میں ایک امر بھی ایسا نہیں جس پر نظر کرتے ہوئے کوئی روحی مسرت حاصل ہو، آپ نے رسمی عذر و اعتذار اور اظہار انکسار و ہضم نفس وغیرہ کے درجات طے کر کے قومی حالات کا مرثیہ اچھے لفظوں میں نظم فرمایا ہے جس کا مقطع یہ ہے،

حضرات یہ روز بد ہم نے کیوں دیکھا اس لئے کہ لیڈر ہم پیشوا ہمارے خود غرض، جاہل، مستبد نام و نمود کے شیدائی، جاہ پسند، راحت طلب مصیبت سے ڈرنے والے جفاکشی سے بھاگنے والے، احکام کے خوشامدی، بزدل، بے وفا، بے رحم ہیں، کرتے کچھ ہیں، کہتے کچھ ہیں، زبان اور دل میں ان کے یکرنگی نہیں، دل میں ان کے درد نہیں جس قوم کے راہبر ایسے ہوں اس لاوارث قوم کا بیڑا کیوں نہ غرق ہو،"

حضرت علامہ کی زبان سے آپ نے رہبروں اور لیڈروں کے حالات سُن لئے، اب یہ بھی سن لیجئے کہ ان لیڈروں سے کونسی جماعت مراد ہے، ہاں جناب علامہ کا سارا زور

طبقہ ملائیت پر گرا ہے چنانچہ ان کی صفات آپ یہ بیان کرتے ہیں
کہ دنیا بدل گئی تعلیم کا رخ بدل گیا خیالات میں انقلاب آگیا،
مگر قدامت پسندوں نے اپنا جمود نہ چھوڑا وہ اپنے گوشوں اور
حجروں سے نکلکر حالات دنیا پر نظر کرنے کی تکلیف سے بچتے
رہے نہ ماحول کو سمجھا نہ اس کے انسداد کی تیاری کی، بڑے
بڑے فصیح و بلیغ خطبے پڑھنے کے عادی گلے کی رگیں پھلا پھلا کر
نیلی نیلی آنکھیں دکھانے کے خوگر، سمجھانے والے خیر اندیش کو
کافر و مرتد بنانے میں آندھی، اپنی آنکھ کا شہتیر نہ دیکھنے کے
عادی، دوسروں کی آنکھ کا تنکا ڈھونڈنے میں ماہر قسمت کا
فیصلہ جس قوم کا ایسے گروہ کے ہاتھ میں ہو وہ قوم نہ ابھری
ہے نہ ابھرے گی،

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہماری تاریخ شاہد ہے کہ ہمارا
فرقہ ہمیشہ تابع فرمان علمائے کرام رہا، اور احکام شرع میں
مطیع و منقاد رہا اور اسپر ہمکو سچا فخر ہے، جہانتک میری
سمجھ میں آتا ہے اس کا راز صرف یہ تھا کہ ہر دور زمانے میں
علمائے کرام کی چند ہستیاں ایسی تھیں جنہوں نے بجائے کفر
والحاد کے فتووں کے اور گوشہ نشینی و ترک موالات کے
قوم سے اتحاد عمل کیا اسوقت کے علماء ضرورت شناس
تھے آزاد خیال تھے، ان میں استبداد نہ تھا، نہ لالچی و خودستائی
نہ تھے، وہ جن علوم سے ناواقف تھے ان میں خواہ مخواہ
دخل در معقولات نہ کرتے تھے، وہ اپنے دائرہ کی حدبست اور
اپنے فرائض سے واقف تھے، الخ

حضرت علامہ کے ان خیالات کو دیکھکر سب سے پہلے جو تصور
دماغ میں آتا ہے اگر میں اسے صفحۂ قرطاس پر نہ لاؤں تو اپنے
آپ کو ایک خلش میں گرفتار رکھوں گا،

واقعہ یہ ہے کہ دور حاضرہ کے ہر لیڈر کا تقریبًا یہ فیشن ہو گیا
ہے کہ وہ اپنے معاصرین پر چشمک زنی کرے اور جہانتک
ہو سکے اپنے آپ کو ہوائے عوام کا ساتھ دینے والا ثابت
کر دکھائے، جب تک اپنے معاصرین پر نقد و تنقید کا دروازہ
نہ کھولا جائے کلام میں لذت پیدا نہیں ہوتی اور جب تک
ہوائے عمومی کی ترجمانی نہ کی جائے اس وقت تک روشن
خیالی اور آزاد منشی کا تمغہ نہیں ملتا، اور بالخصوص طبقہ
ملائیت کو جس قدر سرزنش کی جائے اسیقدر خطیب کا
شمار مجددوں اور روشن خیال طبقہ میں ہوگا،

اس بحث میں مجھے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی بھی ضرورت
ہے، ناظرین کو یہ امر خوب سمجھ لینا چاہیئے جیسا کہ میرے
احباب جانتے ہیں کہ میں نہ ملّا ہوں نہ ملّا پرست لیکن میرا ضمیر
یہ گواہی ضرور دیتا ہے کہ اسوقت طبقہ علماء پر جو ایراد ہو
رہے ہیں ان میں کچھ حصہ صحیح بھی ہے اور بہت سا حصہ غلط
ہے، پس ایندریں صورت تمام تباہکاری کا ذمہ دار علما کو
گردانا میں تو اسے انتہا درجہ کی سفاہت سمجھتا ہوں خصوصًا
یہ الزام اگر کسی علامہ کے قلم سے نکلے تو میں یہ سوال کرنیکا
مجاز ہوں کہ یہ گروہ جب کلیتہً اس بد اخلاقی میں مبتلا ہے
تو معاف کیجئے آپ کے پاس برئت کی کیا سند ہے؟ ہم ان
سب کو سلام کرنے کے لیے تیار ہیں مگر پھر آپ بھی اس
لباس میں پبلک کے سامنے آنے کی جرأت نہ فرمائیے اگر
آپ کے یہی خیالات ہیں جو اس خطبہ میں جلوہ افروز ہیں اور
طبقہ علما کی طرف سے ان کے لئے صدائے لبیک بلند
نہیں ہوئی تو وہ بڑی حد تک حق بجانب ہیں ایندریں
صورت آپ کا سب کو بلا استثناء لالچی، خوشامدی
وغیرہ القاب سے یاد کرنا آپکے استبداد کا آئینہ ہے جو الزام
آپ دوسروں کو دیتے ہیں آپ خود اس میں مبتلا ہیں استغفراللہ
اور اگر فرضًا یہ تمام عیوب ان میں مانے بھی جائیں جب بھی
ان کا ایسے عامیانہ اور سوقیانہ انداز میں ذکر کرنا آپکی شان

علامیت کے قطعاً منافی ہے اور اس سے بجائے اصلاح دنیا کی بو آتی ہے،

امور بالا سے قطع نظر کرتے ہوئے سوال ہو سکتا ہے کہ کونسے بدبخت ملا نے ان بداخلاقیوں کی تعلیم دی ہے جو آج عالم تشیع میں عام ہیں، وہ کونسی بداخلاقی ہے جو آج شیعوں میں نہیں پائی جاتی، اور وہ کونسی بدنظمیاں ہیں جو آج اس طبقہ میں موجود نہیں ہیں، کیا کسی ملا نے ان امور کی تعلیم دی ہے؟ کیا علماء نے ان امور کی حرمت کا اعلان نہیں کیا؟ مگر کسی نے قبول کیا؟ کوئی اس راہ پر چلا؟ نہیں بلکہ اس کے برخلاف حلت و حرمت کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور انہیں تنگ نظر تنگ دل اور تنگ خیال کہا جا رہا ہے،

انسان کے لئے زیبا ہے کہ اگر وہ کسی مسئلہ پر دنیا کے سامنے لب کشائی کرے تو چاہیئے کہ ان کے اطراف و جوانب کو دیکھ لے، اپنی رو میں بہتا ہوا نہ جائے،

میں تاسف کے ساتھ کہتا ہوں کہ جناب علامہ کا یہ خیالی طوفان کسی حیثیت سے بھی نوجوانوں کے لیے مفید نہیں ہے اس سے ہرگز ان میں اپنی اصلاح کا احساس پیدا نہیں ہو سکتا اور سوائے شوریدہ سری اس کا نتیجہ اور کچھ نہیں نکل سکتا علمائے گذشتہ کی تمجید و توصیف محض اس فلسفہ پر مبنی ہے کہ ہر انسان زمانۂ ماضی کا طبعاً مدح سرا ہوتا ہے، مجھے یقین ہے کہ وہی علماء اگر آج زندہ ہوتے تو انہیں بھی آج حضرت علامہ کے سہام ملامت کا ہدف بننا پڑتا، کسی فرضی تاریخی شہادتوں کی بناء پر آپ کا یہ کہنا کہ ہمارا قوم ہمیشہ تابع فرمان علمائے کرام رہا، اور احکام شریعت میں مطیع و منقاد رہا، قطعاً غلط ہے، بلکہ واقعات کی شہادت بہت کچھ اس کے خلاف واقع ہوئی ہے، بہت خوب!

آپ کا نظریہ قبول لیکن سوال یہ ہے کہ آج قلب ماہیت کا کیا سبب ہے، آج احکام شریعت کس لئے پس پشت پھینکے جا رہے ہیں، آج احکام محمدی کا تمسخر کیوں اڑایا جا رہا ہے؟ آج قرآن کے صفحات عملی طور پر کیوں روندے جا رہے ہیں؟ کاش آپ مصلحین کے حالات پر نظر ڈالتے، کاش آپ سبب حقیقی کی تلاش کرتے، کاش اقتصادیات و سائنس و فلسفہ و موسیقی کی فضا سے بلند ہو کر آپ قرآنی حقائق پر غور کرتے، کاش یہ صدائے حقانی آپ کو جذب کرتی

ویقول الرسول یارب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجورا - (رسول فریاد کریگا کہ خداوندا میری قوم نے قرآن چھوڑ دیا)

مولانا! کیا آپ کو سید جمال الدین افغانی کا واقعہ معلوم نہیں ہے کہ اس نے دعوت الی القرآن کی بناء پر چند مہینے کے اندر اندر کیا انقلاب برپا کر دیا تھا، آپ علماء پر سب وشتم کر کے قوم کے نوجوانوں کو اصلاح کی دعوت دیتے ہیں کیا آپکا ضمیر اتنا بھی نہیں کہتا کہ ان امور کا آپ کو کہیں اور بھی جواب دہ ہونا پڑے گا، یہ امور اہل علم کی شان سے یقیناً گرے ہوئے ہیں،

حقیقتہً اس زمانے میں طبقہ علماء کی حالت نہایت نازک ہے اگر وہ میدان عمل میں آتے ہیں، تو کہا جاتا ہے کہ یہ جاہل ہیں، انہیں ان معاملات کی کیا خبر؟ اور اگر گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ متکبر ہیں، مغرور ہیں، قوم سے ترک موالات کرتے ہیں، کیا یہ وہی مصیبت نہیں ہے جو علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر وارد ہوئی تھی، چنانچہ فرماتے ہیں، **ان نطقت تقولون حسد وان سکت تقولون جزع ابن ابیطالب**

من الموت، اگر میں کچھ کہوں تو تم کہتے ہو کہ یہ حاسد ہے اور اگر خاموش رہوں تو کہتے ہو کہ ابو طالب کا بیٹا موت سے ڈر گیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حضرت علامہ کے سامنے یقیناً ایسے چہرے بھی ہونگے جو ہوائے تجدد دکھا کر بہت سے شعائر اسلامیہ کو جہالت اور تنگ خیالی سے تعبیر کرتے ہیں گر موصوف کو ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک حرف کہنے کی بھی جرأت نہ ہوئی جس کے معنی اہل نظر سے چھپ نہیں سکتے،

حضرت ممدوح کا بہت زیادہ شکریہ ادا کیا جاتا، اگر آپ جمود قدیم اور کجروی جدید دونوں کے خلاف جہاد فرماتے لیکن خبط عشوئی کا برا ہو کہ آپ مسلک صحیح پر قائم نہ رہ سکے

ربط نے ربط

اس قصیدہ کی تشبیب جو عذر و اعتذار و ماتم ناکامی و مطاعن علماء پر ختم ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی یہ پیوند کہ

انسان اشرف المخلوقات ہے

کس قدر حسن تسلسل کے جوہر رکھتا ہے، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مطاعن علما اور اشرفیت انسان میں کونسا ربط ہے یا یوں کہا جائے کہ اصل مضمون یہاں سے شروع ہوتا ہے اور سطور بالا بطور تمہید تھیں مگر پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمہید بھی آخر کچھ تو اصل مطلب سے مربوط چاہئے۔

حضرت علامہ اس مضمون کو آیہ لقد کرمنا الخ سے شروع کرتے ہیں، اور قوائے کہربائیہ و عناصر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور اسپر تاسف فرماتے ہوئے کہ قرآن دانی کے مدعی آج ان علوم طبیعیہ سے بے بہرہ ہیں ارشاد کرتے ہیں کہ انسان خدا کے نزدیک کب اکرام کے قابل ہوگا، اور اس معمہ کا حل یہ فرماتے ہیں، جب ہم میں انسانیت ہو، ہم میں تعلیم کا صحیح مفہوم ہو، ہم میں اسلامی تربیت ہو، مسلمنا، اب ہم ممدوح کے الفاظ میں تعلیم کا صحیح مفہوم پیش کرنا چاہتے ہیں، آپ تمام ہندوستان میں مدارس کا جال اور سنڈے سکولز کے افتتاح پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسے مدارس ہوں جن میں تعلیم کا صحیح مفہوم پیدا کیا جائے ان کی بنیاد اسلام کی صحیح تعلیم پر ہو،

بہت خوب، اب یہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے کہ اسلامی تعلیم کا مفہوم حضرت علامہ کے نزدیک یہ ہے کہ جس تعلیم سے علم آزاد ہو، (ماشاء اللّٰہ تعلیم سے علم کی آزادی، کیا خوب) زبان آزاد ہو (جو جی چاہو کہدو) دل آزاد ہو (عرش رحمٰن بھی ہو، عرش شیطان بھی) جسم آزاد ہو، روح آزاد ہو، اگر اسیر آشنا اور ممتزاد ہو جائے، کہ خلاصہ یہ کہ انسان ہر ذرد پیدا آزاد ہو" تو حضرت علامہ کے مقصد سے کوئی مخالفت تو نہ ہوگی، خیر یہ ہے آپ کے نزدیک اسلامی تعلیم کا مفہوم، سوال صرف اتنا ہے کہ آیا یہ مفہوم جناب کے افکار ابکار میں سے ہے؟ کسی حکیم کے قول سے مستنبط ہے، یا قرآن و حدیث سے جناب نے یہ مفہوم استنباط فرمایا ہے؟ بیّنوا توجروا،

میں حیران ہوں کہ حضرت کے افادات کے کس کس پہلو پر نظر کروں، حضرت کے ارشاد کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم کا مفہوم جو بیان کیا گیا، جب تک پیدا نہ ہوگا اس وقت تک انسان خدا کے اکرام کے قابل نہ ہوگا، یہیں سے آپ ایک نظرۃ یہ بھی پہونچ جایئے، کہ جن قوموں میں یہ مفہوم تعلیم موجود ہے، وہ خدا کے مکرم بندے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم اگر کہیں موجود ہے تو یورپ و امریکہ وغیرہ میں ہے لہذا حضرت علامہ کے نزدیک عند اللّٰہ اکرم عباد اہل یورپ و امریکہ ہیں، اس فتوے پر بالیقین آپ قابل

مبارکباد ہیں، آج ایک عمر گذر جانے پر آیۂ اِنَّ اَکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم کی تفسیر معلوم ہوئی کہ گروہ متقین یوروپ ذار بکہ والون سے عبارت ہے،

اگر کوئی سمجھدار انسان ان مطالب کو لکھنا چاہتا، تو ایک معتدل پیرائے میں خوبی کے ساتھ لکھ سکتا تھا اور مطالب بھی کچھ ایسے نہیں جو نظر دنیا میں عنقا ہوں، اخباروں کے صفحات پر روزمرہ یہی فریاد دیکھنے میں آتی ہے، لفظوں میں کچھ تغیر ہوا کرتا ہے، باقی اصل مطلب میں سب ہمزبان ہیں، نہیں ایک انداز سے ہم ہر عاقل کو ساتھ دینا پڑیگا مگر یہ آزادی کی رٹ تو حضرت علامہ کی طبعزاد بحر ہے جسم آزاد یعنے ہاتھ آزاد، کان آزاد، آنکھ آزاد، لب آزاد، زبان آزاد، ناک آزاد، حصہ بالا آزاد، حصۂ زیرین آزاد، پناہ بخدا، اب اس سے آگے بڑھکر اس آزادی کا سایہ عیال پر بھی ڈال دینا چاہیئے، بیوی آزاد، بیٹا آزاد، بیٹی آزاد، غرض یہ آزاد وہ آزاد، میں آزاد تو آزاد، حضرت علامہ کی یہ موسیقیت سرشادانِ آزادی کے لئے ممکن ہے، نہایت خوش آئند ہو، لیکن مزاج سلیم اور طبع اعتدال پسند کے لئے اس میں کوئی دلچسپی نہیں،

اس سلسلۂ شاعری میں آپ نے تقلید اعلم کی بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس بحث کے سلسلے میں میں نے آجتک کسی مجتہد کا نام پیش نہ کیا تھا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد فضا میں سانس لینے والا مجتہد مجھکو نہ ملتا تھا،

زندہ باد رضا شاہ، پائندہ باد رضا شاہ، تو نے ہم غلاموں کے لئے کم از کم مرشد کامل و رہبر کامل حضرت آیۃ اللّٰہ میرزا عبدالکریم قمی ایدہ اللّٰہ تعالے و ایدبہ الاسلام و ادام اللّٰہ ظلہ العالی کے لئے مسند آزادی بچھا کر ہم کو اس قابل بنا دیا کہ اس قبلۂ عالم کی طرف جھکیں، اور اس ذات قدسی صفات کے فتاوے سے اپنے شرعیات و دینیات کو پورا کر سکیں،

رہے دیگر علوم و سیاسیات وغیرہ، انکو ہم ان کے ماہروں سے اسیطرح حاصل کرتے ہیں آزاد و خود مختار ہیں جس طرح سے ایک ماہر دینیات سے دینیات کی تحصیل کیا۔

میں حضرت موصوف کے ان خیالات کو دیکھتا ہوں اور حیران ہوں کہ آخر اس شعریت کا کہیں اختتام بھی ہوگا

بہت خوب، تقلید اعلم، اصولیین میں ایک مشہور مسئلہ ہے لیکن یہ اعلمیت کوئی امامت نہیں ہے یعنی جس طرح کہ امام اپنے زمانہ میں ایک ہوتا ہے، اُسیطرح یہ ضروری نہیں ہے کہ اعلم بھی ایک ہی ہو، ایک بھی ممکن ہے اور ایک سے زیادہ بھی، ہاں یہ بھی ممکن ہے، کہ آقائے شیخ آپ کے نزدیک اعلم ہوں، لیکن دوسرے کے نزدیک کوئی اور بزرگوار، آپ کا قول آیت نہیں، حدیث نہیں، حجۃ شرعی نہیں، خیر اس کو تو چھوڑیئے، یہ فرمائیے کہ آزاد فضا میں سانس لینے والا مجتہد کیسا ہوتا ہے، اس سے آپ کی کیا مُراد ہے، اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ ایران میں ہر مسئلہ بیان کرنے میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے تو یہ صورت سب جگہ ہے، ہندوستان ہو یا عراق اور اگر اس کا کچھ اور مفہوم ہے تو آخر معلوم ہونا چاہیئے، نیز اس کی بھی وضاحت فرمائیے کہ شاہ ایران نے جو مسند آزادی حضرت ممدوح کے لئے بچھائی ہے، اس معمہ کا حل کیا ہے،

جناب علامہ یا واقعات کا علم نہیں رکھتے یا رکھتے ہیں مگر وجوہ خاصہ کی بناء پر غریب ہندیوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنا چاہتے ہیں،

اصل واقعہ یہ ہے کہ ایران میں ایک زمانے سے سلطنت کے امور میں علماء کا ہاتھ تھا، اور علماء کو سلطنت کی نگاہ میں

اقتدار کامل حاصل تھا، اب اس اقتدار سے علماء نے جائز فائدہ اُٹھایا یا ناجائز، یہ ایک دُوسری بحث ہے لیکن سلطنت کی تبدیلی کے ساتھ ہی یہ اقتدار بھی رخصت ہوگیا، آغائے الشیخ عبدالکریم قمی" نے اس زوال کو دیکھکر ایک خاص پالیسی اختیار کی، کہ سلطنت کے کسی کام میں دست اندازی یا رائے زنی نہ کی جائے، اچھا ہو، برا ہو، حلال ہو، حرام ہو، نیک ہو، بد ہو، اگر کسی نے کچھ پوچھ لیا تو جواب دیدیا، ورنہ نہ شاہ سے تعلق نہ وزیر سے، اپنے درس و تدریس سے کام ہے، یہ ہے اس مسند آزادی کی حقیقت جس کے متعلق حضرت علامہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں، اگر جناب شیخ اپنی موجودہ روش پر قائم نہوتے تو کھڑے کھڑے ایران سے باہر کردیئے جاتے، اب معلوم نہیں کہ حضرت علامہ کی شاعری کی بنیاد کیا ہے، اس میں شک نہیں کہ عراق کا مرکز علمی ٹوٹ رہا ہے اور اب شیعہ عنقریب باب العلم کے دروازے کو اُجڑا ہوا دیکھیں گے، لیکن کبھی یہ بھی علمیت کا انحصار عراق میں ہی ہے، حضرت علامہ کی لسانی کسی واقف کار کو دھوکہ نہیں دے سکتی،

آپ کا یہ ارشاد کہ دینیات کو ماہر دینیات سے پوچھو اور دیگر علوم و سیاست ان کے ماہرین سے حاصل کرو، پہلے یہ فرمایئے کہ کون مسخرا کہتا ہے کہ میکانکی کے مسائل کسی مجتہد سے پوچھئے، اب رہا فن سیاست، سو یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سیاست اسلامی تو عالم دین سے ہی متعلق ہوگی اور وہی اس کے مسائل پر غور کرے گا، اسی سے ان مسائل کو دریافت کیا جائے گا، ہاں سیاست مروجہ (بے ایمانی مکاری، دغابازی) ہم جس سے چاہیں سیکھیں کوئی منع کرنے والا نہیں ہے،

اسی ضمن میں نصاب تعلیم عربی کی اصلاح تنظیم، اتحاد اور اتفاق وغیرہ وغیرہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بارہ جماعتیں گنوائی ہیں، کہ قوم میں اتنی جماعتیں ہونی چاہیئیں، حضرت قبلہ! اس خیال آرائی سے فائدہ کیا، آپ کا دل خود گواہی دیتا ہوگا، کہ یہ ہوائی قلعے تیار ہونے والے نہیں ہیں، مانا سب سچ، حق و صدق مگر

جامہ ندارم دامن از کجا آرم

یہ تمام شعبہ جات داخلی و خارجی یونہی ہو جائیں گے یا ان پر کچھ خرچ بھی ہوگا، یہ کہاں سے آئیگا؟ آپ نے کتنی آسانی سے کہدیا کہ ایک جماعت سرمایہ کی فراہمی اپنے ذمہ لے، بس جماعت بن گئی، اور روپیہ جیب میں آگیا، کیا بچوں کی سی باتیں ہیں،

آپ فرماتے ہیں کہ اگر ہم ایسا نہ کریں گے، تو ہماری نسلیں ہمارا نام لیتے ہوئے شرم کرینگی، میں آپ کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ یقین دلانا چاہتا ہوں، کہ اس فکر کو دماغ سے نکال دیجئے، ہم سیاہ و سفید کچھ ہی کر جائیں، لیکن آئندہ نسلیں ہمارا ذکر اچھے ہی لفظوں میں کرینگی، یہ تو تمام نسلوں کا قاعدہ ہے پس اسکی فکر فضول ہے،

جوانوں سے اپیل کرتے ہوئے آپ نے شہدائے کربلا کا واسطہ دے کر انہیں اُبھارنا چاہا ہے، شیعہ خطیبوں کے پاس یہی ایک چلتا ہوا انجیر ہے، لیکن افسوس ہے کہ اب اس کی قدر بھی گھٹتی چلی جا رہی ہے، کیونکہ وہ دل ہی نہیں ہیں، جن میں شہدائے کربلا کا وفادارانہ اصلی موجزن ہو، پہلے وہ دل پیدا کیجئے، پھر ان مقدس ہستیوں کا نام لیجئے، شیعوں کی غیرت کو حرکت میں لانے کیلئے بہادر شاہ اور ٹیپو سلطان کی سلطنتوں کو شیعہ سلطنت بتایا گیا ہے، مگر اس کے لئے تاریخی شہادت درکار ہے اگر ٹیپو سلطان کی اولاد میں آج آپ کو شیعہ نظر آتے ہیں تو اس کے یہ معنی

نہیں، کہ خود سلطان بھی شیعہ تھا، میں اس شیعہ تراشی کو ویسا ہی سمجھتا ہوں، جیسے کہ انجمن ترقی اُردو کی "سنّی طرازی" کو ایسی بیہودہ باتوں سے اہل علم کی نگاہ میں چھچھورا پن ثابت ہوتا ہے!

آپ شیعوں کو تلقین کرتے ہیں کہ اپنی سیاسی حیثیت کو قائم کرو، پھر اس سے کون منع کرتا ہے، مگر اس کا گر کیا ہے؟ آپ نے کچھ نہیں بتایا، ہاں اٹلی و روس وغیرہ کی چیرہ دستیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ شیعوں کو طعن دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہوا، مگر اُمتِ گریہ کناں نے بس رونے پر اکتفا کی، حضرت علامہ جس طرح ایراد کرنے میں مشاق نظر آتے ہیں، کاش وہ راہ عملی بھی بتاتیں، مثال کے طور پر آثار متبرکہ کو لیجیے جو ابن سعود کے ہاتھوں تباہ ہوئے، کونسا مسلم ہے جسے اس واقعہ سے رنج نہ پہونچا ہو، اور کونسا شیعہ ہے جس نے یہ خبر سنی ہو اور اس کا دل خون نہ ہو گیا ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ اب ہماری تکلیف کیا ہے، طعنہ ہر شخص دے سکتا ہے لیکن انصافاً بتائیے کہ بدبخت شیعہ کیا کریں، آثار متبرکہ کا تحفظ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انجمن بازی اور جوشیلی تقریروں سے ہو سکتا ہے ہرگز نہیں، یہ کام سلطنتوں کے کام ہیں اور سلطنتوں سے ہی انجام پایا کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ایران نے اس طرف توجہ کی ہے اور ابن سعود نے سیاسی زبان سے اس کا اقرار بھی کیا ہے،

یہ معلوم ہے کہ آثار متبرکہ کی تباہی سے جس قدر ملال شیعوں کو پہونچا ہے اتنا ہی بالیقین امام یحییٰ والی یمن کو بھی ہونا چاہیے مگر وہ کونسی مشکلات حائل ہیں جن کی بنا پر امام یمن ابن سعود کی چیرہ دستیوں کو سکوت کے ساتھ دیکھ رہے ہیں "اُمت گریہ کناں" کا طعنہ غالباً آپ نے حبل المتین سے سیکھا ہے، ہمیں حضرت علامہ سے استدعا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آئندہ ایسے الفاظ سے حذر فرمائیے، خطابت میں طعن اسی حد تک بجا ہے جو سننے والے کو شرم دلاتے ہوئے عمل پر بھی ابھار دے، لیکن اگر اس طعن کی ناگواری حد سے گذر جائے تو پھر روح انتقام پیدا ہو جایا کرتی ہے، مدعا ایسی حالت میں ہوتا ہے جبکہ طعن صحیح ہو اور اگر طعن بالکل ہی واقعیت سے دور ہو تو اس کی تلخی کا اندازہ خود ہی کر لیجیے، آپ سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے شیعوں کو اُمتِ گریہ کناں کس بنا پر کہا ہو سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ فرقہ ابھی تک برے یا بھلے طریقے سے حسین مظلوم کا سوگ کر لیتا ہو مخالفین بھی یہی طعن شیعوں پر کرتے ہیں اور آپ کا حلقوم بھی انہیں کی صدائے بازگشت ہے،

مولانا، آپ نے اس خطبہ میں جتنے پہلوؤں پر نظر فرمائی اگر وہ سب ناقص اور ادھورے ہیں اگرچہ آپ نے عذر فرمایا ہے کہ صرف پانچ گھنٹہ میں یہ خطبہ تیار کیا گیا ہے، مگر یہ عذر مجموع نہیں ہو سکتا آپ ایک پوری جماعت کے ہادی بنکر تشریف فرما ہونے والے تھے، آپ اپنے دماغ پر زور ڈالتے اور تجدید خیالات سے متمتع فرماتے، طبقہ علما کو تختۂ مشق بنانے اور رسوم قدیمہ کی مذمت کرنے سے کام نہیں بنتا، یہ بہت اچھی اور ہلکی باتیں ہیں، آجکل سب سے بڑھکر نوجوانوں میں حسِ مذہب اور حسن اعتقاد کی روح پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس کا آپ کے خطبہ میں پتہ بھی نہیں ہے، طعن و مطاعن آپ کے خطبے کی روح ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس سے آپ اپنی ناکامیوں کی حرارت کو فرو کرنا چاہتے ہیں مگر ع

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے اے غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

تنبیہ المقصرین

المعروف بہ

نور الاعتقاد

جناب مولانا الشیخ اعجاز حسین بدایونی نے جب سے نجم الاعتقاد اور شمس الاعتقاد یہ دو رسالہ لکھے ہیں اسوقت سے عالم تشیع میں ایک ہیجانی کیفیت محسوس ہوتی ہے، ارباب علم نے اس مسئلہ کی طرف خاص توجہ فرمائی ہے اور مسئلہ مساوات محمد وآل محمد (سوائے نبوت) پر کئی بامغز تحریریں اسوقت تک نکل چکی ہیں، حقیقت امر یہ ہے کہ مسئلہ نہایت نازک مسئلہ ہے اور نور ایمان کی روشنی میں ہی حل ہو سکتا ہے، ایچ پیچ دریتی سے یہان کام نہیں چلتا،

اس مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہوئے میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ احادیث کے دفتر اگر دیکھے جائیں تو قائلین مساوات کیلئے کافی ثبوت موجود ہیں مگر اس کے ساتھ ایسی بھی چیزیں موجود ہیں جن سے مخالفین مساوات تمسک ہو سکتے ہیں ایسی حالت میں محقق کا جو فریضہ ہونا چاہیئے وہ صاحب فہم سے مخفی نہیں، اسمیں ایک اور پہلو بھی دیکھنا پڑیگا، وہ یہ کہ جو عقیدہ آج میرے قلب میں موجود ہے اور اسکی دلیلیں جو میری نظر میں جلوہ نما ہیں آیا ان دلیلوں سے یہ عقیدہ پیدا ہوا ہے یا یہ دلیلیں اس عقیدہ کی ایجاد ہیں یہی وہ فرق ہے کہ جس کو سمجھے بغیر امر حق کی تحقیق ہو نہیں سکتی، فرض کیجئے میرے قلب میں ایک عقیدہ نے جگہ لے رکھی ہے توارث کے طریق سے، ماحول کے اثر سے سوسائٹی کی تاثیر سے، بہر طور میں ایک خیال کی عظمت کرتا ہوں اور عظمت ادلہ و براہین سے پہلے قلب و دماغ پر قبضہ کر چکی ہے

اب اس امر اعتقادی کے لئے جب میں دلائل و براہین کے میدان میں آؤنگا تو ہر جگہ مجھے اسی اعتقاد کی جلوہ گری نظر آئیگی مجھ میں یہ قوت تمیز ہی باقی نہ رہے گی کہ جس دلیل سے تمسک کیا ہوں وہ صحیح ہے یا غلط، مشہور ہے،

حبک الشیء یعمی و یصم

کسی شے کی محبت ہو، انسان کو ضرور اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے اب وہ چیزیں جو انسان کو محبوب ہیں ان میں اعتقاد سب سے بڑھی ہوئی شے ہے، حتی اینکہ جان و مال و اولاد بھی اس پر قربان ہوتے نظر آرہے ہیں یا اعتقاد صحیح ہو یا غلط، دونو حالتوں میں اس کی یہی شان ہے،

کسی اعتقاد کا جب دل و دماغ پر قبضہ ہوتا ہے تو انسان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اپنے اعتقاد کی تائید میں دلیلیں گھڑتا چلا جائے، نہیں ہر وقت اسے مطلب کی ہی سوجھتی ہے اور معمولی سے معمولی شبہ بھی اس کے لئے برہان قطعی کا درجہ رکھتا ہے،

غور کیجئے میرزا غلام احمد قادیانی کو نبوت کا خبط پیدا ہوا سمجھ لیا کہ میں نبی ہوں اور اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے جب دلائل کی ضرورت پڑی، تو بیشمار دلائل ان کی نظر میں موجود تھے حتی اینکہ قرآن میں جہان جہان لفظ احمد وارد ہوا ہے وہ ان کے نزدیک غلام احمد ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ اعتقاد سے پیدا ہونے والی دلیلیں اکثر دور از کار ہی ہوا کرتی ہیں، اس کے برخلاف جبکہ ادلہ و براہین کی بنا پر کوئی اعتقاد قائم ہوتا ہے تو یہ دلیلیں البتہ محکم و متقن ہوتی ہیں، اسی بنا پر صاحب تحقیق کیلئے ضروری ہے کہ وہ خالی الدماغ ہو کر کسی مسئلہ کی تحقیق کرے،

جناب مولانا الشیخ اعجاز حسین صاحب نے ان رسالون کی تحریر سے

قبل ہی یہ اعتقاد قائم کرلیا کہ مراتب آئمہ میں تعمیر کرنا ہی حقیقی تشیع ہے اور ساوات کا شور مچانے والے غالی، بیدین، دین سے خارج، اسلام سے الگ، مرتد، کافر جہنمی غرض سبھی کچھ ہیں، ان خیالات سے متاثر ہوکر جو تحریر پبلک میں آئیگی ظاہر ہے کہ وہ کیسی کچھ ہوگی علاوہ ازین مسئلہ نہایت نازک مسئلہ ہے اِس میں فحول علما مضطرب نظر آتے ہیں، مجھے ایک عالم بزرگوار کا قول یاد ہے، انہوں نے فرمایا کہ مساوات محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام احادیث سے قطعاً ثابت ہے لیکن باوجود اس کے بھی ہم اسے ضروریات مذہب میں داخل نہیں کرسکتے، اسلئے کہ اگر ہم ایسا کریں تو ہمیں اپنے علما کو بھی مذہب سے الگ سمجھنا پڑیگا، اجلا ساطین مذہب میں، خصوصاً حضرات قمیین رحمہم اللہ، پس یہ مسئلہ مدارج ایمانیہ اور مراتب عرفانیہ میں سے ایک درجہ اور ایک مرتبہ ہے، جو صاحب فہم دقت نظر اور کشادگی قلب کے ساتھ اس وادی میں قدم رکھیگا اُسے کچھ مل جائے گا،

ایک عالم بزرگوار سے عراق میں اس مسئلہ کا ذکر آیا، انہوں نے نہایت صفائی سے جوابدیا کہ ہم سے ان مسائل کا استفتا جو کیا جاتا ہے وہ بیکار ہے مثلاً حضرت امیرؑ نے سلمانؓ و جندبؓ رضی اللہ عنہما سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ **معرفتی بالنورانیۃ ھو معرفۃ اللہ** یعنی میری معرفت نورانی ہی اللہ کی معرفت ہے، اب ہم کیا بتائیں کہ یہ معرفت نورانی کیا ہے، پہلے مدارج سلمانیہ کو طے کریں اور پھر سمجھیں،

واضح ہو کہ یہ شے نہ مجادلہ و مناظرہ مرسومہ سے آتی ہے علم کلام یہاں کام دیتا ہے نہ منطق آرائی اور فلسفہ بافی کارآمد ہے

بادف و نے دوش آن مرد عرب
دیدہ چہ خوش می گوفت از ذوق طرب

ایھا القوم الذی فی المداستہ
کلما حصلتموہ وسوسہ

یہ مسلک دوسرا مسلک ہے، جب تک سینے میں محبت کی آگ روشن نہو اور دل دیگ کی طرح جوش نہ مارے اسوقت تک خاکساری نہیں جاتی ؎

سینہ خالی ز مہر گل رخان
کہنہ انبانے بود پر استخوان

مولوی صاحب ممدوح اس میدان میں اُترے، کچھ اچھا نہ کیا، اسیطرح مولوی سید علی صاحب مبلغ مدرسۃ الواعظین نے بھی قلم سنبھالا تھا مگر بے فائدہ، ہر قدم پر ٹھوکر، میں نے بذات خود اس مسئلہ میں اپنی بساط کے موافق کافی غور کیا ہے اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سکوت ہی اولیٰ ہے،

حدیث میں وارد ہوا ہے، کہ **اذا بلغ الکلام الی اللہ فامسکوا** جب اللہ تک کلام کی نوبت پہونچے تو بس زبان بند کرو، یہیں سے میں اس نتیجہ پر پہونچ جاتا ہوں کہ خلیفۃ اللہ کی بھی یہی شان ہے ؎

کتاب فضل ترا آب بحر کافی نیست
کہ تر کنم سر انگشت و صفحہ بشمارم

حال ہی میں ایک محترم دوست نے مرادآباد سے لکھا کہ اس مسئلہ پر کوئی قطعی رائے نہیں بھی لکھنی چاہیئے یہ فرمائش میرے تحیر کے لئے کافی ہے، میں کیا میری حقیقت کیا۔

در بحر ا در طہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

ان میری یہی ہے کہ جس طرح ان کے ظاہر ہمایان لاتا ہوں

اسیطرح ان کے باطن پر بھی قدم ایمان راسخ ہو جائے خدا یہ دن نصیب کرے، مگر مادہ کا دریا چاروں طرف موجزن ہے، کیا کروں، کس طرح نکلوں، عمر گھٹتی جا رہی ہے، اور ہر لحظہ ایک نیا حجاب روح پر بڑھتا چلا جا رہا ہے،

بہت ہی اچھا ہوا کہ اس اثنا میں ایک کتاب ریویو کے لئے آگئی، جس کا نام ان سطور کے عنوان میں درج ہے، اسکے مؤلف جناب مولانا سید مقبل حسین صاحب رضوی سیتاپوری ہیں اور ممدوح نے نہایت دیانتداری کے ساتھ ان حضرات کے اسماء گرامی بھی ظاہر کر دیئے ہیں جن سے ان تالیف میں مدد لی گئی ہے، اس کتاب کا موضوع بھی مسئلہ مساوات ہے، اگرچہ میں اس مسئلہ میں جناب مؤلف مدظلہ کا مد مقابل بھی ہوں تاہم جب بھی ان کی دقت نظر اور وسعت نگاہ کی داد دینی پڑتی ہے بشرطیکہ مجھ میں انصاف کا مادہ ہو، ترتیب مضامین سے انتہائی سلیقہ ظاہر ہے، اور ہر مطلب عالی کو ایسے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی استفادہ کر سکتا ہے، سب سے بڑھکر جو خوبی ہے وہ یہ ہے کہ تحریر میں حسن تہذیب کی نمائش کامل نظر آتی ہے، حالانکہ مولانائے بدایونی نے سب و شتم کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا مگر صاحب نجم الاعتقاد کے کسی لفظ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کی پیشانی پر کہیں بل بھی آیا ہو، خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ فضائل علوی کے نشر میں آپ نے جہاد کیا ہے،

اس موضوع پر یہ کتاب بالیقین ایک امتیازی شان رکھتی ہے اور بے شک و شبہ لائق استفادہ ہے، مؤلف نے ابتدا میں مدرسۃ الواعظین کو بھی توجہ دلائی ہے کہ یہ مدرسہ جو شیعوں کا ایک واحد تبلیغی ادارہ ہے اس کے زیر سایہ ایسے رسالوں کی اشاعت کسی حیثیت سے مناسب نہیں، یہ ارشاد بالکل صحیح ارشاد ہے اور میں اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ مولانا کی شورش فزا طبیعت نے مدرسہ کی ہردلعزیزی کو کافی نقصان پہنچایا، حالانکہ جناب نجم العلماء مدظلہ نے ممدوح کو ایسے مباحث سے منع بھی فرمایا ہے مگر ضد کا کیا علاج، غرض مدرسہ کا کوئی قصور نہیں ہے، اگر کرے کوئی بھرے کوئی والا مضمون ہو گیا،

آخر رسالہ میں مصنف ممدوح نے نجم الاعتقاد کے خاص خاص افادات سے تعرض کیا ہے اور مودت اہلبیتؑ کے اثرات سے ایک دلچسپ بحث کی ہے،

اصل یہ ہے کہ یہ مقام بھی نہایت نازک مقام ہے مگر باوجود نزاکت مقام کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے ع

قوت نے بشکند ابرو لیک ذرا

لیکن یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ میرا ذاتی خیال مجھ تک ہی محدود رہنا چاہیئے، دوسرے کے لئے حجت نہیں اور کیونکر ہو جبکہ میں کسیکو ہرگز مجبور کرنے کا مجاز نہیں کہ وہ خواہ مخواہ میرے قول کو تسلیم کرے،

لائق نظر یہ امر ہے کہ مودت اہلبیت علیہم السلام آیا بغیر عمل کے کچھ فائدہ رساں ہے یا نہیں، میں بھی یہاں تک سپر قطع کئے ہوئے ہوں کہ ہے اور ضرور ہے اور کم از کم مجھے تو اس میں شک نہیں ہے، میں ہر محب اہلبیت کو انجام کار ناجی سمجھتا ہوں، نہیں مسلم اور شیعہ تو دوسری چیز ہے اگر کوئی غیر مسلم بھی فرض کیا جائے تو بھی وہ اس فیض سے مستثنے نہیں ہو سکتا، نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی، یہی نا کہ حجاب کفر اسے جنت سے روکیگا، مگر دوزخ میں تو لے جائیگا، لیکن دوزخ میں بھی اگر اسے حرارت دوزخ نے اذیت نہ پہونچائی تو بس اس کے لئے کافی ہے،

ہیں اعمال کو مودت اہلبیت کی زینت سمجھتا ہوں اور محبّ اہلبیت کے لئے اس حیثیت سے بھی اعمال کو فرض قرار دیتا ہوں کہ فی الحقیقۃ اعمال کا بجا لانا اسی کا حق ہے ورنہ دوسرون میں یہ اہلیت ہی نہیں ہے،

اب رہا مودت کا درجۂ اعلےٰ وہان اس بحث کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ یہ آفتاب جہان پورے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہو تو وہان عمل تو اس کی روشنی ہے یہی وہ مقام ہے جہان **العلم ما یورث العمل** صادق آتا ہے، یہ مقام عجیب مقام ہے، اور انسان اگر سعی کرے تو حاصل بھی کر سکتا ہے فیض عام صلائے عام دے رہا ہے ؎

ہر چہ ہست از قامتِ ناساز بے اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

خیر اس ذکر کو تو چھوڑ دیجئے، اس کی تو حسرت ہی قبر میں لے جائینگے، مرجع مقال یہ ہے کہ فرائش امام پر نظر کرتے ہوئے ہم کسی ادنےٰ سے ادنےٰ اور ناقص العمل بلکہ بے عمل شیعہ کو بھی تشیع سے خارج نہیں کر سکتے بلکہ مدارج عرفانیہ میں جو ساتھ نہ دے سکے اُسے بھی معذور سمجھنے پر مجبور ہیں، ہان ایک امر سے عذر ضروری ہے، وہ یہ کہ بد عمل بنتے ہوتے ہم کہیں اصل عمل سے منحرف نہ ہو جائیں اور امور شرعیہ کا انکار کر بیٹھیں، انہیں فضول اور لغو نہ سمجھنے لگیں آجکل بلا عالم تشیع میں سرایت کر رہی ہے، خدا خیر کرے، تاکید اعمال کے متعلق جو ارشادات ہوئے ہیں انہیں حالات پر نظر کرتے ہوئے اسکا فلسفہ بھی معلوم ہو سکتا ہے، اور ساتھ ہی یہ کہ ان بزرگواروں کا مطمح نظر یہ ہے کہ ہر شیعہ کو روحانی ترقی کے مدارج اعلےٰ پر فائز دیکھیں یا یون کہیئے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان میں ہم سے فیض حاصل کرنے کی اعلےٰ سے اعلےٰ قابلیت پیدا ہو جائے، (رسالہ نور الاعتقاد جعفری بک ڈپو شہر سیتاپور سے طلب فرمایئے،

مضامین کی عمدگی کے مقابل میں لکھائی اور چھپائی اچھی نہیں ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اس قسم کی کتاب کی خریداری سے مایوسی ہوا کرتی ہے، پھر زر کثیر کس بنیاد پر خرچ کیا جائے؟

محقق طوسی علیہ الرحمہ

یہ مختصر تاریخی مقالہ سنہ ۱۹۱۳ء میں قلم سے نکلا تھا، ذی کمال بزرگون کے حالات کا اشتہار یہ مقصد لئے ہوئے ہوتا ہے کہ انہیں سن کر تحصیل کمال کی طلب انسان میں پیدا ہو، اور یہ مقصد آج بھی اسیطرح باقی ہے جیسے پہلے تھا، لہذا ناظرین عرفان کے سامنے بھی اس تعمیر کو پیش کرتا ہون، دنیا کا زمانہ گذر جاتا ہے مگر ارباب کمال کے آثار اس کی زد میں نہیں آ سکتے، دن کی روشنی اور رات کی تاریکی ابھی ہے ابھی نہیں، لیکن وہ بزرگوار جن کے نورانی پرتو نے جن کے علمی جواہر نے اہل بصیرت کی نگاہون کو روشن کیا ہے، یہ اسیطرح چمکیں گے اسیطرح ضیا افگن ہونگے عقل سلیم زمانے میں ان کے فیضان سے مستفیض ہوگی، اور صفائی ذہن قیامت تک ان انوار کا اقتباس کرے گی، جو اس وقت تک ظاہر بینون کے نزدیک عدم کی تاریکی میں مل رہے ہیں، یہ بزرگوار اور مقدس بزرگوار جن کا نام نامی زیب عنوان ہے کونسا ذی علم ہے جو ان کی جلالت قدر سے ناواقف ہو،

یہ وہ فقیہہ ہے کہ ہر زمانے کے فقہانے جس کی فضیلت و کمالات کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے، وہ عالم ہے جس کی مثال اس وقت تک لباس وجود سے معرّا رہی، کونسا علم ہے جس کے ماہرین نے اس نفس مقدس کو اپنا امام تسلیم کیا ہو، اور کونسی علمی گرہ ہے جو اس پیر مشکلکشا کے ناخن علم سے نہ کھلی ہو، ارسطو و افلاطون اسکے وجود ذیجود پر افتخار کرتے ہیں، اور بو علی سینا اسکی مساعی جمیلہ کا شکر گذار ہے،

نام و القاب، اسم گرامی ان بزرگوار کا محمد ہے، پدر بزرگوار کا نام بھی یہی ہے، اور جدّ امجد کا نام حسن، آپ کا عرف خواجہ نصیر ہے، لقب نصیر الدین اور محقق طوسی کے نام سے مشہور ہیں،

تاریخ ولادت، آپ کی ولادت باسعادت گیارہ جمادی الاول ۵۹۷ھ ہجری میں بمقام طوس واقع ہوئی، اُسی دن اور اسی تاریخ امام فخر الدین کا انتقال ہوا، اور کسی خوش فکر نے تاریخ ولادت باسعادت کے لئے یہ آیت دنیا کے سامنے پیش کی، **جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا**۔

تعلیم و تربیت، خواجہ علیہ الرحمہ کی تعلیم و تربیت اسی طریقے سے ہوئی، جو ایک منبع فضل و کمال خاندان کے بچوں کی ہونی چاہیئے، اور جیسے آپ کی خداداد قابلیت اور رسائی ذہن نے چار چاند لگا دیئے، آپ کے والد بزرگوار اپنے زمانے کے ایک زبردست عالم تھے، علم ہیئت میں انہیں خاص دستگاہ حاصل تھی اسی لئے ان کا لقب رصدی مشہور تھا، یہ بزرگوار سید فضل اللہ راوندی کے شاگرد تھے جن کا سلسلہ تلمذ دو واسطوں سے سید رضی علیہ الرحمہ صاحب نہج البلاغہ تک پہنچتا ہے، ایسے بزرگ اور مقدس باپ نے ضرور ہے کہ اپنے ہونہار فرزند کو خاندانی علوم کامل طور سے ودیعت کیئے ہوں، گو مشتاق اور حلاوت علم سے سیر نہونے والی طبیعت نے اسی پر اکتفا کی بلکہ اور کمال کے سرچشموں سے بھی سیراب ہونے کا ارادہ کیا، علم معقول فرید الدین المشہور بداماد سے حاصل کیا، جو سید صدر الدین سرخسی کے شاگرد تھے اور انہیں افضل الدین گیلانی سے تلمذ حاصل تھا، انہوں نے بہمنیار سے تعلیم پائی تھی، جو شیخ الرئیس بو علی سینا کے ارشد تلامذہ میں سے تھا، بدین لحاظ خواجہ علیہ الرحمہ چار واسطوں سے شیخ الرئیس کی حکمتوں کے وارث ہیں، اور ایسے وارث کہ اگر شیخ الرئیس زندہ ہوتا، تو اس پیر حکمائے ربانی کی ذات پر فخر کرتا، بلکہ ان سے نکات حکیمہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا، علاوہ ازین آپ نے علم منقول سالم بن بدران مصری سے بھی حاصل کیا،

ایک اہلسنت بزرگوار[1] نے مشاہیر زمانہ کے حالات لکھتے ہوئے محقق علیہ الرحمہ کے مختصر حالات بھی قلم بند کیئے ہیں، مجھے افسوس ہے کہ ان صاحب نے محض تعصب کی بنا پر محقق کا ذکر ایسے لفظوں میں کیا ہے، جیسے کہ ایک عامی شخص کا حال لکھا کرتے ہیں، اس شخص نے کفار و ملاحدہ تک کے لئے تعظیمی الفاظ بڑی خوشی سے صرف کیئے ہیں، امام غزالی اور فخر الدین رازی کی تعریف تو وہ جس قدر کریں، تھوڑی ہے، لیکن فیثاغورث، سقراط، ارسطو، سری کرشن، گوتم بدھ، کبیر وغیرہ کا ذکر ایسے پیرایہ میں

[1] افسوس ہے مجھے اسوقت بالکل یاد نہیں کہ وہ کونسی کتاب تھی اور کس کی تالیف تھی، ہاں یہ ضروری ہے کہ اسی کتاب کو دیکھکر ان سطور کو ترتیب دیا گیا ہے، اڈیٹر

کہا ہے گویا کہ وہ ان کے خاص مریدین ہیں، گو ہمیں اسپر کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ ان شخصون کا ذکر جو کسی فرقے کے پیشوا مانے جاتے ہون، ایسے ہی لفظون میں ہونا چاہیئے، مگر تاسف یہ ہے کہ محقق علیہ الرحمہ کا تذکرہ لکھتے ہوئے اس شخص کو کسی پوشیدہ خلش نے مجبور کردیا، اور وہ کسی ڈکشنری میں محقق علیہ الرحمہ کے لیے کوئی تعظیمی لفظ نہ دے سکا، کیون؟ کس لئے؟ محض بجرم تشیع،

اسی شخص نے سالم ابن بدران مصری کی نسبت لکھا ہے کہ یہ معتزلی مذہب تھے، ممکن ہے ایسا ہو، لیکن ان کے اجداد سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی،

ابن حاجب و محقق

محقق علیہ الرحمہ کا قصیدہ ابن حاجب صاحب کافیہ کے ساتھ عوام میں مشہور ہے، جو اس طرح پر ہے کہ محقق نے بیس سال کی مدت میں ایک کتاب مدح اہلبیت میں تصنیف کی اور اس کتاب کو بغداد لے گئے کہ خلیفہ عباسی معتصم کی خدمت میں پیش کریں، یہ کتاب اسوقت پیش ہوئی، جبکہ خلیفہ ابن حاجب کو ساتھ لئے ہوئے سیر دربار میں مشغول تھا، خلیفہ نے وہ کتاب ابن حاجب کے حوالے کی، جس نے فضائل اہلبیت دیکھکر اسے دریا میں ڈالدیا اور کہا اعجبنی تلاطمہ یعنی اس کتاب کے گرنے سے جو پانی زیر و زبر ہوا ہے مجھے یہ نظارہ پسند آیا، بعد میں محقق کی طلب ہوئی اور ابن حاجب نے پوچھا کہ تم گاؤان طوس میں سے ہو یا خران طوس میں سے، محقق نے جواب دیا کہ میں گاؤان طوس میں سے ہون، ابن حاجب بولا کہ تمہارے سینگ کہاں ہیں، جواب دیا کہ طوس میں ہیں، اب جاکر لے آتا ہون، پس اسی حالت غم و غصہ میں آپ واپس آئے، اور ایک شب عالم رویا میں دیکھا کہ ایک مکان میں مقبرہ ہے اور تابوت کے ارد گرد وہی درود لکھا ہوا ہے جو اب درود طوسی کے نام سے مشہور ہے، اور ایک شخص وہان بیٹھا ہے، اس نے یہ درود اس کا طریقہ ختم تعلیم کیا، اور وہ شخص حضرت صاحب الامر تھے جب آنکھ کھلی تو اس کے بعض فقرات فراموش ہو گئے، جو پھر دوبارہ یاد دلائے گئے، جنہیں آپ نے بیدار ہو کر قلمبند کر لیا، اور خلیفہ عباسی کے دفعیہ کے لئے انہیں پڑھنا شروع کیا، پھر بمقام خراسان رمل کے ذریعے سے معلوم کرنا چاہا کہ کس بادشاہ کی سرکردگی میں یہ کام انجام کو پہونچے گا، جب قرعہ پھینکا، تو بادشاہت کے خانے میں ایک عورت کو دیکھا جس کے دو لڑکے تھے آپنے ان دونوں لڑکون کو اس عورت سے لے لیا، تربیت شروع کی اور ان میں ایک لڑکے کی نسبت فراست و دانائی سے معلوم کر لیا کہ چتر شاہی اسی پر سایہ فگن معلوم ہوتا ہے، اسکی تربیت و نگہداشت میں کامل کوشش کی، یہی لڑکا آگے چلکر ہلاکو خان ہوا، ایک روز آپ نے اس سے کہا کہ اگر تو بادشاہ ہو جائے تو میرے ساتھ کیا سلوک کریگا، اس نے جواب دیا کہ وزیر بنا لون گا، الغرض تھوڑے ہی عرصہ میں کچھ ایسے اسباب فراہم ہوئے کہ ہلاکو خان حاکم خراسان ہو گیا، اور محقق کو اپنا وزیر بنایا، اب ہلاکو کو لیکر لشکر کشی کی، بہت سے شہرون پر تصرف کیا، آخر بغداد کی باری آئی، فتحمند شہریار کے سامنے بغداد کی عیش پسند فوجیں کہاں جم سکتی تھیں، خلیفہ قتل کیا گیا، اب ابن حاجب کی تلاش ہوئی، اس نے یہ واقعہ دیکھکر پسند کی کہ ایک شخص کے گھر میں چھپ گیا اور ایک طشت خون سے بھر کر اسپر کوئی پتھر وغیرہ رکھا، اسپر تیر لگا یا تاکہ خواجہ کو بذریعہ رمل اس کا پتہ نہ لگے، خواجہ نے بہت

تلاش کی مگر نشان نہ پایا، جب رمل پھینکا، یہی معلوم ہوا کہ ابن حاجب دریائے خون میں منزل گزین ہے، جس سے اور حیرانی بڑھتی تھی، آخر آپ نے ایک تجویز کی، اور بغداد کے ہر گھر میں ایک بکری وزن کرکے پہنچوادی، اور حکم دیا کہ اس قدر مدت کے بعد یہ بکری واپس لی جائیگی مگر اسکا وزن نہ کم ہو نہ زیادہ، جس گھر میں ابن حاجب مقیم تھا، اس کے مالک نے یہ واقعہ ابن حاجب سے بیان کیا، اس نے کہا یہ آسان بات ہے تم ایک بھیڑیے کا بچہ لے آؤ، ہر روز گھانس کی ایک معین مقدار بکری کو کھلاؤ اور دن میں ایک مرتبہ بھیڑیے کا بچہ اسے دکھا دو، جتنا گوشت تازہ پیدا ہوگا، اس کے خوف سے پانی ہو جائیگا، اسطرح وزن یکساں رہیگا، پس میعاد مقررہ کے بعد سب سے بکریاں واپس لیگئیں، سب کی بکریاں سوائے میزبان ابن حاجب کے کم و بیش ہوگئیں، اسطرح ابن حاجب کا پتہ لگا کر اسے اپنے سامنے طلب کیا، اور فرمایا میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میں اگلا دن طوس میں سے ہوں اور لینے سینگ لینے جاتا ہوں اب یہ بادشاہ بیر سینگ ہے اسے لے آیا ہوں، یہ کہکر اسے ساتھ لیا اور دریا کے کنارے جاکر ابن حاجب کا کتبخانہ طلب کیا اور ایک ایک کتاب کو جن میں سے کثر اسکی تالیف تھیں دریا میں ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ العجب ثم العجب ابن حاجب سامنے کھڑا تھا اور ایک حسرت بہاد رہا تھا، آخر اس نے التماس کیا، کہ میری یہ تین کتابیں دریا برد نکرو، کیونکہ یہ مبتدی کے لئے فائدہ مند ہیں، ایک کافیہ نحو میں، اتنا فیہ صرف میں، اور ایک مختصر الاصول،

یہ خواہش قبول کی گئی، اس کے بعد حکم دیا کہ اسکی کھال اُتار کر بدن دریا میں پھینکدو، اسوقت ابن حاجب نہ دانستہ جواں تھا۔

یہ قصہ محض فرضی اور بے اصل ہے، اول یہ کہ خواجہ ہلاکو سے پہلے بغداد میں نہیں آئے، دوئم یہ کہ ہلاکو خان خراسان کا رہنے والا نہ تھا بلکہ چنگیزی شہزادوں میں سے تھا اور ترکستان سے آیا تھا، سوئم یہ کہ ابن حاجب فتح بغداد کے وقت وہاں موجود نہ تھا، نہ اس سال قتل ہوا، آقا محمد علی ابن آقا محمد باقر کتاب مقامع میں اس حکایت کو بے اصل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ ابن حاجب جسکا نام عثمان ابن عمر ابن ابو بکر مالکی ہے، اسکندریہ میں فوت ہوا، اس کی وفات ۶۴۶ھ میں بروز پنجشنبہ بتاریخ ۱۸ ماہ شوال واقع ہوئی، اور بغداد فتح ہوا ہے ۶۵۵ھ میں، چہارم یہ کہ ابن حاجب کی کتابیں ایسی نہ تھیں جنکی اور نقلیں موجود نہوں، پنجم یہ کہ سوائے ان کتابوں کے اور کتابیں بھی ابن حاجب کی متداول و رائج ہیں مثلاً امالی، مقیدہ در بیان موشحات سماعیہ شرح کافیہ وغیرہ یہ توجیہات صاحب قصص العلماء نے بیان کی ہیں جو اس حکایت کے بے اصل ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، ان کے علاوہ یہ بالکل خلاف قیاس امر ہے کہ محقق علیہ الرحمہ اہلبیت کی تعریف میں کتاب لکھکر خلیفۂ عباسی کی نذر کریں، جس کے خمیر میں اہلبیت کی عداوت شامل تھی،

بغداد کی غارتگری:- اصل یہ ہے کہ تخت بغداد پر حکومت کرنے والوں نے شاید یہ یقین کر لیا تھا کہ ہمیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے، اسم قیام کی صورت لیکر دنیا میں آئے ہیں، اسلئے وہ مظالم ان کی ذات سے ظاہر ہوئے جن کی نظیر شاید ہی کسی طبقے میں مل سکے، خاندان رسالت

اور بنی فاطمہ کا خون تو ان کے نزدیک ایسا ہو گیا تھا کہ انسان
پشہ کا خون بہانے میں تامل کرتا ہے، لیکن رسول کی آل کا
لہو بہانے میں باک نہ تھا، پھر آخر یہ سلسلہ کب تک رہتا،
خدا کی خدائی کوئی چیز نہ رہتی، اگر یہ ظلمہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
اسلام کی گردن پر مسلط رہتے،

دنیا عالم اسباب ہے، یہاں کا ہر کام کسی نہ کسی واسطے سے
انجام پاتا ہے، پس بغداد کی بنیادیں ایک مغل بادشاہ کے
ذریعے سے ہلا دی گئیں اور اس امر کو چھپانے کی کوئی
ضرورت نہیں کہ محقق طوسی علیہ الرحمہ کی رائے بھی بحیثیت
ایک وزیر کے اس بربادی میں شریک تھے،

قاضی نور اللہ شستری نور اللہ مرقدہ نے مجالس المومنین
میں تحریر فرمایا ہے، کہ اوائل حال میں محقق علیہ الرحمہ کو ترویج
مذہب اہلبیت میں انہماک تھا، جب آپ نے دیکھا کہ خلیفہ
معتصم باللہ کا وزیر موید الدین علقمی قمی اکابر شیعہ میں سے
ہے تو آپ نے چاہا کہ بغداد میں قدم جا کر خلیفہ پر اثر ہدایت
ڈالا جائے، چنانچہ اسبارے میں وزیر سے خط و کتابت
شروع کی اور ایک عربی قصیدہ انکی وساطت سے دربار
خلافت میں روانہ کیا، وزیر موصوف ان کے کمالات و فضائل
نفسانیہ سے بخوبی واقف تھا، اس نے ان کا یہاں آنا
اپنی مصلحت کے خلاف سمجھا، اور ان کے مکتوب کا جواب
تک بھی نہ دیا، بلکہ بقول مولف مشاہیر عالم خلیفہ کو
آپ کی طرف سے یہ کہکر بھڑکا دیا، کہ دیکھئے آپ کو صرف
خلیفۃ اللہ لکھا ہے، اور خلیفۃ اللہ علی ارضہ نہیں لکھا،

لطیفہ۔ موید الدین علقمی کی خواجہ علیہ الرحمہ سے کبیدگی
واقعات مذکورہ سے صاف ظاہر ہے حتی کہ وہ ان کے
بغداد میں آنے کا روادار بھی نہ ہوا، بلکہ خلیفہ کو انکی طرف سے
بالکل بدظن کر دیا، اسپر بھی صاحب مشاہیر عالم نیز ان کے
اور ہم خیالوں کا یہ کہنا کہ خلیفہ معتصم کا قتل و قمع اسی
شیعہ وزیر کی بدولت وقوع میں آیا، حد درجہ کی تاریخی
بددیانتی ہے، تاریخ اور واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ بغداد کی
اینٹ سے اینٹ بجا لانے والا ہلاکو خان ہے جس کی
سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک محقق علیہ الرحمہ تھے، اور
ان کے اور وزیر خلیفہ عباسی کے درمیان کشیدگی کا اقرار
کیا جاتا ہے، گو دونو وزیر ہم مذہب ہی تھے مگر وزیر بغداد
اپنی پولیٹیکل مصلحتوں کے لحاظ سے انکی بات کے جواب دینے کا
بھی روادار نہیں ہوتا، اسپر بھی وہ بیچارہ قتل کی سازش
میں شریک اور نمک حرام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے،

الغرض جب خواجہ کو ادھر سے ناامیدی ہو گئی، اسپر طرہ یہ کہ
بلاد عراق و خراسان میں قیام سراسر خوف و بیم سے بھرا ہوا
تھا، کیونکہ حضرات سنیہ کا آئے دن کا ورود، تاتاریوں
اور چنگیزیوں کے متواتر حملے آپکو گوشہ تنہائی کی فکر ہوئی
اور ہونی بھی چاہیئے تھی، انہیں دنوں میں ناصر الدین محتشم
جو صاحب فضل و سخا اور الموت و قہستان کے اسمٰعیلی بادشاہ
علاؤ الدین محمد ابن جلال الدین حسن کے امراء میں سے تھا
اس نے بلطائف الحیل آپکو طلب کر لیا، اور اپنے افاضل
زمانہ کی صحبت کو غنیمت جانکر مستفید ہونے لگا، محقق نے
کتاب اخلاق ناصری اسی رئیس کے نام پر لکھی اسی زمانہ میں
علاؤ الدین محمد کو بھی خبر لگ گئی کہ خواجہ صاحب قلعہ مدد باد
میں مقیم ہیں، اسے بڑا رشک پیدا ہوا اور فوراً ہی آپکو
طلب کر لیا، طوعاً و کرہاً جانا پڑا، اور وہاں اعزاز و
اکرام کے وہی سامان دیکھے، جو آپ کی شان کے شایان
تھے اب آپ نے نظر کی کہ ایران کے سبزہ زار تو چنگیزیوں کی

ترک وتازگی بدولت فتنہ وفساد کے کانٹون سے لبریز ہیں اور اسمٰعیلیہ فرقے کے ممبر اصل مذہب شیعہ ہیں ان کے شریک ہیں، اسباب فراغت ومطالعہ بھی بوجہ احسن مہیا ہیں لاجرم آپ نے انہیں کی صحبت کے عذاب کو برداشت کرنا پسند کیا حتی کہ ہلاکو خان اسمٰعیلیون کی سلطنت میں داخل ہوا اور آپ خورشاہ بن علاؤالدین محمد کے ساتھ ہلاکو کے پاس پہنچ گئے، ہلاکو آپ کے آنے سے بیحد خوشنود ہوا، اور جملہ امور سلطنت آپکو تفویض کردیئے،

صاحب حبیب السیر نے محقق علیہ الرحمۃ کے اسمٰعیلیون کی سلطنت میں پہونچنے اور وہان سے ہلاکو خان کے پاس آنے کی کیفیت اس طریق سے بیان کی ہے کہ خلیفہ معتصم کے زمانے میں جناب محقق نے ولایت قہستان میں چند روز سکونت اختیار کی وہان کے حاکم ناصر الدین محتشم نے لطف وکرم اور تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، انہیں ایام میں کتاب اخلاق ناصری آپ نے اس امیر کے نام پہ تحریر فرمائی، اور ایک قصیدہ عزل ابن علقمی وزیر بغداد کی معرفت خلیفہ معتصم کے پاس بھیجا، ابن علقمی کو یہ بات ناگوار گذری، وہ قصیدہ بجنسہ ناصر الدین محتشم کے پاس بھیجدیا، اور اس کی پشت پر لکھدیا کہ مولانا ناصر الدین نے خلیفہ روئے زمین سے خط وکتابت شروع کی ہے، یہ ایک اندیشہ ناک امر ہے، ناصر الدین نے یہ تحریر دیکھکر محقق کو قید کرلیا، اور پھر انہیں علاؤالدین محمد بادشاہ اسمٰعیلیان کے پاس بھیجدیا، آپنے چندروز وہان گذارے اور جب اس سلطنت کی بنیادیں ہلاکو خان کے ہاتھون سے برباد ہوئیں تو آپ وہان سے نکلکر ہلاکو خان سے مل گئے اور اس کا تقرب خاص حاصل کرلیا،

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب جناب خواجہ ناصر الدین کے ہمراہ قید ہوکر علاؤالدین محمد کے پاس پہنچے اور وہان قید کردیئے گئے اس قید کے زمانے میں آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں ان میں سے ایک تحریر مجسطی ہے جسمیں بہت سے مسائل ہندسہ بیان کیئے گئے ہیں پھر جب چنگیزی خاندان کا رکن الخان مشہور بہ ہلاکو خان قلاع اسمٰعیلیہ کے نزدیک پہنچا اور ان بلاد کو تسخیر کرنے لگا تو علاؤالدین محمد کا بیٹا بایمائے محقق پوشیدہ طور پر قلعہ سے نکلکر ہلاکو خان کی خدمت میں پہنچ گیا، ہلاکو خان نے معلوم کرلیا کہ محقق وہان قید ہیں اس قلعہ کو فتح کیا اور محقق کو نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ ہمراہ لیکر جملہ امور سلطنت انہیں تفویض کردیئے،

واقعات مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن علقمی شیعہ وزیر بغداد کی محقق سے ذرا بھی راہ ورسم نہ تھی بلکہ اسکی تحریر پہ محقق کو وہان قید ہونا پڑا، پھر ابن علقمی کو تباہی بغداد کا باعث قرار دینا کس قدر تاریخی خیانت ہے، اگر ابن علقمی کی ذات سے یہ معاملہ وابستہ بھی ہوا، تو اہل بصیرت کی نظر میں تو پھر بھی ابن علقمی قابل ملامت نہیں ٹھہر سکتے تھے کیونکہ انتقام کا مادہ فطرتاً ہر شخص میں ودیعت رکھا گیا ہے، کیا ابن علقمی کو معلوم نہیں تھا کہ اس سلطنت کے بانیون نے ملک کے حقیقی وارثون کا خون کس بیدردی سے بہایا ہے، ان کے ہم مذہب کو کیسے کیسے آزار دیئے گئے ہیں ان معاملات پر نظر کرکے اگر وہ خلیفہ کی تباہی کے در پے ہوتے تو بالکل حق بجانب تھے لیکن جبکہ تاریخ خاموش ہے، اور واقعات ساکت ہیں، پھر ایک غیر متعلق واقعہ کو ان سے تعلق دینا کہاں کی نادانی بلکہ بددیانتی وخیانت ہے،

ان مذکورہ واقعات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ناصر الدین محتشم نے اول اول تو حضرت محقق کی تعظیم وتکریم کی مگر بعد میں انہیں قید کردیا، اور اسی قید کی حالت میں آپ علاؤالدین محمد کے پاس پہونچے، وہان بھی وہی قید تھی مگر اس میں زیادہ سختی

نہ کی جاتی ہو اور تحریر و مطالعہ کے سامان ان کے لئے فراہم کر دیئے گئے ہوں مگر نظربندی اور حراست میں تو کسیطرح کا تنہا ہی نہیں ہوسکتا، جو ایک آزاد طبیعت کے لئے کافی مصیبت ہے، اسپر صاحب مشاہیر عالم کا بیدھڑک یہ لکھنا کہ خواجہ صاحب دولت اسمعیلیہ کے وزیر تھے، مختار کل تھے، طرح طرح کی نوازشات کے مورد تھے مگر انہوں نے ہلاکو خان سے ملکر اس دولت کو برباد کرادیا اسلئے وہ دغابازی اور احسان فراموشی کے مجرم اور ان کا یہ فعل قابل ملامت ہے" بالکل بیہودہ سرائی اور حق فراموشی ہے معلوم نہیں دنیا کی کونسی زبان میں قید و حبس و حراست کے معنے وزارت کے لئے گئے ہیں ابن علقمی پر تباہی دولت بغداد کا الزام ایک دلچسپ لطیفہ تھا ہی مگر یہ اس سے بھی تیز رہا، الغرض جب محقق ہلاکو خان سے وابستہ ہوگئے تو اس شاہ کشور کشا نے بغداد کا رخ کیا، آپ بھی ہمراہ تھے، بغداد کا محاصرہ کیا گیا جس نے دولت عباسیہ کا کامل طور پر استیصال کردیا، بڑے بڑے اراکین تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے، خلیفہ بحالت قید دربار میں لایا گیا، بہت سے عالموں نے سفارش کی اور کہا کہ خلیفہ اہلبیت پیغمبر سے ہے اگر یہ قتل کیا جائیگا تو زمین لرز جائیگی، پھٹ جائیگی، تیرے لشکر کو نگل جائیگی آسمان زمین پر گر پڑیگا، طرح طرح کے عذاب نازل ہوں گے محقق نے فرمایا، یہ سب اقوال ہیچ و ابطلان ہیں اسلئے کہ خاص فرزند رسول کو قتل کیا گیا تو نہ زمین ہلی اور نہ آسمان پھٹا، نہ کوئی عذاب نازل ہوا الغرض یہ رائے قرار پائی کہ اس کا خون زمین پر گرنے نہ پائے ایک بساط میں لپیٹکر لنڈھا دیں، چنانچہ اسی دانش کے ذریعے بیچارہ ٹھکانے لگا دیا گیا اور دولت عباسیہ کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں
سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھی شمشیر کا

قطب الدین شیرازی سے مباحثہ

محقق علیہ الرحمہ کو احیاء و ترویج مذہب اہلبیت میں خاص انہماک تھا اور علمائے عامہ سے ہمیشہ درباب امامت مناظرہ کرتے تھے اس اکمل زمانہ کے سامنے کسی کو تاب گفتگو نہ تھی، ملزم ہوتے تھے مجروح ہو لیتے تھے اور بہت سے یہاں بھی آتے تھے اسی زمانہ میں خواجہ صاحب بہ تبدیل لباس ملّا قطب الدین شیرازی کی مجلس درس میں پہنچے، جو اس زمانہ میں فاضل یگانہ تسلیم کیا جاتا تھا آپ صف نعال میں بیٹھ گئے، اور اثنائے درس میں کچھ گفتگو نہ کی اور واپس چلے آئے، ایک شخص نے آپکو پہچان لیا تھا، اس نے ملّا سے کہا کہ یہ جو فرش کے پاس بیٹھے تھے خواجہ نصیر الدین تھے ملّا نے جواب دیا کہ پھر ضرور ہے وہ کل بھی آئینگے، بہتر یہ ہے کہ جس علم میں انہیں وقوف نہو، کل اسمیں مذاکرہ و مباحثہ شروع کیا جائے، شاگردوں نے کہا کہ ہر علم میں ان کی تالیفات موجود ہیں، مگر علم طب میں نہیں، غالبًا وہ اس سے عاری ہیں ملّا قطب نے کہا کہ اچھا کل کتاب قانون کے مبحث نبض کا درس ہوگا، جب صبح ہوئی شاگرد جمع ہوگئے، اور وہی مقام شروع کردیا، خواجہ علیہ الرحمہ بھی آپہنچے تھے، ملّا نے بہت سے ایرادات شیخ پر کئے اور خود اپنی تحقیق بھی بیان کی، اور اس شاگرد سے جو خواجہ صاحب کے پاس بیٹھا تھا کہا کہ کچھ سمجھے اس نے جواب دیا کہ ہاں سب سمجھ گیا، ملّا نے کہا کہ اچھا تقریر کرو، شاگرد کچھ ہکلانے لگا، خواجہ نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو میں بیان کروں، ملّا نے کہا کہ تم ہی سمجھتے ہو فرمایا ہاں، اسنے کہا اچھا بیان کرو آپ نے جواب دیا کہ پہلے تمہاری غلطیاں بیان کروں یا تحقیق

حق، ملانے جوابدیا کہ پہلے میرے اقوال بیان کرو پھر انکی غلطیاں
پھر تحقیق۔ آپنے ایسا ہی کیا، ملانے اٹھکر ہاتھ چوم لئے، اور اپنی
جگہ بٹھا لیا، اور خود مودب ہو بیٹھا، اب امامت کی بحث شروع
ہو گئی، خواجہ نے امیرالمومنین کی خلافت بلافصل کا اثبات
کرکے اسے ملزم کیا، ملانے تشیع کا اقرار کیا،
مگر چند روز کے بعد پھر آبائی مذہب پر لوٹ گیا، خواجہ نے پھر اسے
مناظرہ کرنا چاہا اس نے جوابدیا کہ مجھے آپ سے مناظرہ کرنیکی
طاقت نہیں آپ اپنے کسی شاگرد کو معین کرد، اگر اسنے مجھے
ساکت کردیا تو پکا شیعہ ہو جاؤں گا، یہ سنکر خواجہ نے اپنے
ایک شاگرد کو حکم دیا اسنے ملا قطب سے مناظرہ کیا، اسے
الزام دیا، اب ملا کامل طور سے شیعہ ہوگیا، اور پھر تسنن کی
خواہش نہ کی، نیز آپ کی شاگردی اختیار کی، محاصرۂ بغداد کے
وقت ملا بھی ساتھ تھا، جس وقت آپنے صفوف لشکر کی
ترتیب کا ارادہ کیا تو ملانے دوبارہ اعتراضات منطقی
جو اسوقت تک حل نہوئے تھے، پیش کرنے شروع کئے،
آپ ایک صف مرتب کرتے تھے ملا اعتراض پیش کرتا تھا آپ
اسے حل کرکے دوسری صف کی ترتیب میں مشغول ہو جاتے تھے
اسیطرح بارہ صفیں مرتب کیں اور ایراد دوازدگانہ حل کرکے
رکھدیئے، یہ ہے انتہائی تبحر جو اہل کمال کی گردنیں جھکا
دینے کے لئے کافی ہے،

آسیابان کا قصہ۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ محقق کو سفر میں
رات ہو گئی، اور آپنے اس بیابان میں ٹھیرنے کا ارادہ کیا
ایک آسیابان دکھائی دیا، کا وہاں مکان تھا، اس نے عرض کیا
کو میری اس آسیا کی جھونپڑی میں آجاؤ، کیونکہ آج رات کو
بارش ہوگی، خواجہ نے اسطرلاب نکالا دیکھا، بارش کا
نشان بھی نہ پایا، اور آسیابان سے کہا کہ آج تو شاید بارش
نہ آئے، یہ کہکر وہیں بستر لگائے، جب ایک پہر رات گذری تو
بارش شروع ہو گئی، اسوقت آپ کو مع خدام اس مکان میں
جانا پڑا، اور اس آسیابان سے پوچھا کہ تجھے بارش کا حال
کیونکر معلوم ہوا، اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک کتا
ہے، جب وہ اندر گھر میں پناہ گیر ہوتا ہے، تو معلوم ہو جاتا ہے
کہ آج بارش ہوگی، اسکا قاعدہ یہی ہے، اس رات بھی وہ
کتا اندر آگیا تھا جس سے مجھے معلوم ہوگیا، خواجہ نے فرمایا
کہ افسوس اتنی عمر فنا ہو گئی اور کتے کی مانند بھی فہم وادراک حاصل نہوا

اعتقادات خواجہ علیہ الرحمہ۔ ابتدا ابتدا میں آپکا عقیدہ
تھا کہ جو شخص وحدانیت اور تمام عقائد حقہ کو براہین عقلیہ
حکمیہ سے ثابت نکر سکے، وہ مشرک اور واجب القتل ہے اسلیئے
آپ لوگوں کو سخت تادیب کرتے تھے، اور اگر کوئی تعلیم حاصل
نہیں کرتا تھا، اسے قتل کرتے تھے، ایک دفعہ آپ بیابان میں
پہنچے، وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ زراعت کے کاروبار
میں مصروف ہے، خواجہ اپنا گھوڑا اس کے پاس لے گئے، اور
پوچھا کہ خدا ایک ہے یا دو، اس نے جوابدیا کہ ایک ہے فرمایا
اگر کوئی کہے کہ خدا دو ہیں، تو کیا جواب دیگا، وہ بولا کہ یہی
بیلچہ جو ہاتھ میں ہے ایسا رسید کروں کہ ایک سر کے دو اور
تین نظر آنے لگیں، یہ سنکر آپ نے سمجھ لیا کہ یہ راسخ الاعتقاد
شخص ہے، اور اسیروز سے آپ نے اپنی رائے تبدیل کر دی کہ
براہین حکمیہ کا جاننا کچھ ضروری نہیں، صرف یقین کافی ہے،
آپ مسئلہ بدا کے بھی منکر تھے،

جواب شعر حافظ۔ کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے خواجہ علیہ الرحمہ
کے پاس حافظ کا یہ شعر لکھکر بھیجا ؎

کشتی شکستہ گانیم اے باد شرطہ برخیز الخ

اور دریافت کیا کہ اس مصرعہ میں شکستہ گانیم پڑھا جائے یا

شکستہ گمان آپ نے جواب میں لکھا کہ ؎

بعضے نشستہ خوانند بعضے شکستہ خوانند
چوں نیست خواجہ حافظ معلوم نیست ما را

یہ حکایت صحت سے خالی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حافظ محقق علیہ الرحمۃ کے بعد ہوا ہے، خواجہ صاحب نے وفات پائی ہے ۶۷۲ھ ہجری میں اور حافظ کے انتقال کا سال ہے ۷۹۲ھ ہجری)

معارضہ بہ عمر و خیام، مشہور ہے کہ خیام شاعر جبری مذہب رکھتا تھا، یہ رباعی اس نے لکھی ؎

من می خورم و ہر کہ چو من اہل بود
میخوردن من بنزد او سہل بود
میخوردن من حق ز ازل میدانست
گر مے نخورم علم خدا جہل بود

محقق نے اس کے جواب میں یہ رباعی لکھکر بھیجدی ؎

این نکتہ نہ گوید آنکہ او اہل بود
زیرا کہ جواب شبہش سہل بود
علم ازلی علت عصیان کردن
نزد عقلا ز غایت جہل بود

خواجہ اور سعدی، کہتے ہیں کہ ایک دفعہ محقق علیہ الرحمۃ شیراز میں تشریف لائے اور بالاخانے پر مقیم ہوئے شیخ سعدی بھی ان کی خبر سنکر ملاقات کے لئے پہنچے اور یا علی یا علی کہتے ہوئے زینے طے کرنے لگے سامنے گئے تو سلام کیا، خواجہ نے پوچھا تم شیخ سعدی ہو عرض کی ہاں فرمایا کیا مذہب رکھتے ہو سنی یا شیعہ اس نے جواب دیا کہ میں شیعہ ہوں، فرمایا اگر شیعہ ہو تو خلفا کی مدح کیوں کی شیخ بولے تقیۃ، فرمایا کہ جو معتصم عباسی قتل کیا گیا تو کس لئے تقیہ کیا اور کیوں اس کے لئے مرثیہ لکھا، شیخ کو جواب نہ بن آیا، اس سکوت پر دروں کا حکم یا تعمیل حکم فوراً ہوئی، سعدی کو اٹھا کر اس کے مکان پر لے گئے اور وہ اس واقعہ کے بعد سات یا آٹھ دن زندہ رہا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ سعدی نے اپنی کسی تحریر میں معصوم کی طرف ایک غلط قول منسوب کیا تھا، اس لحاظ سے محقق نے اسے حد قذف لگائی، واللہ یعلم

شیخ سعدی کو قاضی نور اللہ شستری علیہ الرحمۃ نے شیعہ لکھا ہے، صاحب قصص العلما لکھتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے مجموعہ میں تحریر کیا ہے کہ مجھے برسوں شیخ سعدی کے تشیع میں شک رہا، حتی کہ مجھے اس کا تشیع واضح ہو گیا یہ لکھکر ان کے کچھ شعر بھی لکھے ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ محض افسانہ ہے وہ بلا شبہ سنی تھا،

ہلاکو خان کی عجیب خواہش:- آقا السید ابو جعفر تنکابنی لکھتے ہیں، کہ ہلاکو خان ضعیف الایمان تھا، ایک دفعہ اس نے خواجہ سے کہا کہ ہر سلطان رعایا کے نام فرمان لکھتا ہے تمہارے خدا کا فرمان کہاں ہے، آپ نے جواب دیا کہ ہمارے خدا کا فرمان بھی آنے والا ہے، اس کے بعد حکم دیا کہ قرآن کو ورق آہو پر اس طرح لکھو کہ پچاس اونٹوں پر بار ہو پھر اسے نوبت و قرنا اور بہت سی جمعیت کے ساتھ لاؤ، چنانچہ ایک دفعہ آپ ہلاکو خان کے پاس بیٹھے تھے کہ باجوں کی آواز سنی، آپ بے اختیار استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، اور ہلاکو سے کہا کہ یہ میرے خدا کا فرمان آرہا ہے، ہلاکو بھی اٹھکر خواجہ کے ہمراہ ہو لیا اور اس جلوس کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ لائے، اس کے بعد ہلاکو نے خواجہ سے فرمائش کی کہ احکام عبادات کو

عقلی طور پر اس طرح ثابت کرو کہ سلطان کی عقل پسند کرے،
آپ نے یہ فرمائش پوری کی، تمام احکام کو عقلی طور پر اس
طرح بیان کیا، کہ ہلاکو نے پسند فرما لیا، مگر دو مسئلوں میں ناچیز رہے
وہ بھی اعمال حج میں ایک ہرولہ اور دوسرے رمی جمرات،

علمائے عامہ کی چال، کہتے ہیں کہ جب ہلاکو کی ماں
نے انتقال کیا تو بعض عالموں نے ہلاکو سے کہا کہ مردے
سے قبر میں منکر و نکیر سوال کرتے ہیں، اور آپ کی والدہ شاید
ان کا جواب نہ دے سکیں، اس لئے بہتر ہے کہ خواجہ نصیر الدین
کو ان کے ساتھ دفن کر دیجئے، وہ جواب و سوال کر لیں گے،
ہلاکو بھی آمادہ ہو گیا، خواجہ نے یہ سنکر اس سے کہا کہ سوال
منکر و نکیر ہر شخص کے لئے ثابت ہے حتی کہ بادشاہوں کے
لئے بھی، پس بہتر ہے کہ مجھے تو اپنے واسطے رکھ لیجئے اور
فلاں عالم کو (جس نے یہ رائے دی تھی) اپنی ماں کے
ساتھ بھیجدیجئے، وہ فرشتوں کا جواب دے سکیں گے،
ہلاکو خان نے یہ رائے پسند کی، اور فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی،
ان تاتاری بادشاہوں میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص ان
خاندان میں سے مرجاتا تھا، تو اس کے ساتھ ہی اس کا مال
و اسباب نوکر چاکر وغیرہ دفن کر دیئے جاتے تھے، حتی کہ اگر کوئی
بلا رسیدہ جنازہ لے جاتے وقت رستے میں مل جاتا تھا وہ
بھی زندہ در گور ہوتا تھا، عجب نہیں کہ یہی قاعدہ اس وقت
تک جاری ہو،

محقق اول صاحب شرائع سے ملاقات جب خواجہ نصیر الدین بغداد تشریف لائے
تو آپ نے فقہائے حلہ کی ملاقات کا ارادہ کیا، محقق علیہ الرحمہ
نے سب فقہا کو ساتھ لیکر استقبال کرنا چاہا، خواجہ نے ممانعت
کہلا بھیجی کہ استقبال کی تکلیف نہ کی جائے بلکہ اسوقت
محقق درس تدریس میں مشغول ہوں، پس ایک روز خواجہ
تشریف لائے اور محقق کتاب شرائع کا درس استدلالی دے
رہے تھے، بعد اظہار اشتیاق ملاقات و مزاج پرسی خواجہ
نے خواہش کی کہ درس جاری رکھا جائے، محقق نے پہلے تو
انکار کیا، آخر اصرار پر شروع کر دیا، اس وقت یہ مسئلہ زیر
بحث تھا کہ عراق کے لئے مستحب ہے، کہ وہ مصلی کی جانب
چپ مائل ہو، خواجہ نے ایراد کیا، کہ یہاں استحباب کی کوئی
وجہ معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ اگر قبلہ سے غیر قبلہ کی طرف
تیاسر و میلان سمجھا جائے، تو یہ حرام ہے اور اگر غیر قبلہ سے
قبلہ کی طرف ہو تو واجب، یہ ایراد سنکر محقق اول نے نہایت
عمدگی اور وضاحت کے ساتھ اس عبارت میں یہ توجیہ بیان
کی کہ یہاں قبلہ سے قبلہ کی ہی طرف میلان و تیاسر ہے،
خواجہ باوجودیکہ علوم ریاضیہ میں فرید و وحید زمانہ تھے مگر
خاموش ہونا پڑا، اس کے بعد محقق نے ایک رسالہ اسی مسئلہ
میں لکھا، اور مختلف وجہات سے اسے حل کیا، یہ رسالہ خواجہ
کے پاس بھیجا گیا، جسے انہوں نے بے حد پسند کیا، اس رسالہ کو
احمد بن فہد نے کتاب مہذب البارع شرح مختصر نافع میں
تمام و کمال نقل کیا ہے، نیز صاحب مدارک نے بھی،
اسی مجلس میں یا کسی دوسری ملاقات میں خواجہ نے محقق سے
سوال کیا، کہ اس جماعت (فقہائے حلہ) میں اعلم کون ہے
محقق نے فرمایا، کہ سب عالم و فاضل ہیں، کوئی کسی علم میں
کوئی کسی میں، خواجہ نے کہا کہ علم اصول میں کون بڑھا
ہوا ہے، محقق نے شیخ سدید الدین یوسف بن مطہر حلی
اور فقیہ سعید الدین محمد ابن جہم کی طرف اشارہ کیا کہ یہ دو
بزرگ اس جماعت میں اعلم ہیں، علم کلام و اصول فقہ میں
اس بات سے یحیی ابن سعید صاحب جامع پسر عم محقق نے

محقق کو خط لکھا اور شکایت کی کہ تم نے میری قدر گھٹادی اور خواجہ کے سامنے میرا نام نہ لیا، محقق نے جواب لکھا کہ اگر میں تمہارا نام لے دیتا اور خواجہ تم سے کوئی اصول کا مسئلہ پوچھ بیٹھتے تو تم اس میں توقف کرتے رہجاتے۔ مجھے میں منفعت بین ادا ہوتی،

علمی کارنامے وہ بزرگ جس کے نام سے علم و ہنر کا نام روشن ہوا اس کے علمی کارنامے کا شمار کس سے ہو سکتا ہے اس بزرگ کی تصنیف و تالیف کا ایک ایک نکتہ بلکہ ایک ایک نقطہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے علمی کارنامہ لکھا جائے مگر آپکی زندگی کا سب سے بڑا عملی کام وہ رصدگاہ تھی جس کی تعمیر کا سلسلہ مراغہ میں ہلاکو خان کے حکم سے کیا گیا تھا، باوجودیکہ ماہران فن کے اقوال کے بموجب سبعہ سیارہ کی رصد کیلئے کم از کم تیس سال درکار ہیں، لیکن سلطان کی ضد تھی کہ بارہ برس کے اندر یہ کام انجام پا جائے، اور خواجہ علیہ الرحمہ نے اپنی زبردست قوت علمیہ کے بھروسے پر وعدہ کر لیا تھا مگر افسوس کہ موت کے زبردست ہاتھوں نے علمی دنیا میں اس نادر روزگار چیز کا اضافہ نہو نے دیا،

اس تعمیر میں حکما کی ایک جماعت نیز آپ کے شاگرد آپ کی نگرانی میں کام کرتے تھے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں،

ملا قطب الدین شیرازی یہ ملا صاحب خواجہ علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے، **موید الدین عروضی دمشقی**، دمشق کا رہنے والا علم ہندسہ و آلات رصد میں متبحر تھا،

فخر الدین مراغی یہ ایک طبیب حاذق اور فاضل زمانہ تھا، اسے موصل سے بلایا گیا تھا،

نجم الدین کاتبی قزوین سے آیا تھا اور حکمت کلام میں یگانہ تھا،

محی الدین اخلاطی تفلیس سے بلایا گیا تھا، یہ فاضل و مہندس تھا اور علوم ریاضیہ میں متبحر،

محی الدین مغربی یہ بھی ایک اعلےٰ درجہ کا ریاضی دان مہندس اور اعمال رصد میں ماہر تھا،

نجم الدین کاتب بغدادی یہ بھی انہیں علوم کا ماہر اور کاتب اور مصور تھا،

اب حرکات کواکب کا انضباط شروع ہوا مگر اسی اثنا میں جناب محقق نے آخرت کا سفر اختیار کیا، اور وہ حسابات دہیں کے دہیں رہگئے، یہ زیچ نہایت دقت نظر کے ساتھ لکھی گئی تھی، لیکن چونکہ ناتمام رہی اس لئے متروک ہے پھر بھی خسوف و کسوف و تعدیلات کے بارہیں منجمین اسپر اعتماد کرتے ہیں اور اس بارے میں اس کے احکام کل زیچوں سے معتبر ہیں،

وفات جب آپ دوبارہ بغداد تشریف لائے تو مرض الموت طاری ہوا، اپنی تجہیز و تکفین و تغسیل و تدفین کے بارے میں فضلائے مومنین کو وصیت فرما رہے تھے کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ مناسب ہے خواجہ کو مشہد مقدس امیر المومنینؑ میں لیجا کر دفن کریں، آپ نے یہ سنکر فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے جوار فائز الانوار میں "انتقال کردن" اور ان کے آستانے سے مجھے دوسری جگہ لے جائیں، گو وہ یہاں سے افضل ہو، پس حسب وصیت اس آسمان علم و حکمت کے روشن چاند کو عتبہ علیہ کاظمیہ علیہ السلام میں چھپا دیا گیا اور لوح مزار پر یہ آیہ رقم کی،

وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید

آپ کی تاریخ وفات کسی نے اس طرح نظم کی ہے:-

نصیر ملت و دین بادشاہ کشور فضل
یگانہ کہ چو او مادر زمانہ نزاد
بسال ششصد و ہفتاد و دو بذی الحجہ
بروز ہجدہم اندر گذشت در بغداد

جامع التواریخ میں لکھا ہے کہ جب حسب وصیت آپ کو کاظمین علیہما السلام میں لائے، تو اس مقدس زمین کے جوار میں ایک قبر کھودنی شروع کی، جس میں ایک سردابہ ظاہر ہوا، جو کاشی کے کام سے مزین تھا، جب اسکا تفحص کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ناصر عباسی نے اُسے اپنے دفن کے لئے بنوایا تھا، مگر اُسے نصیب نہ ہوا، وہ دوسری جگہ دفن کیا گیا، اور خواجہ علیہ الرحمہ جو اس درگاہ عرش اشتباہ کی پاسبانی میں مشہود تھے، بموجب آیہ کلبہم باسط الخ اس مکان کثیر الفیضان میں مدفون ہوئے۔ آپ بیشک مقبول بارگاہ امام تھے ان کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ سردابہ مذکور ۵۹۷ھ ہجری میں تاریخ ۱۱ جمادی الثانی اتمام کو پہونچا تھا، اور اسی تاریخ آپ پیدا ہوگئے تھے، عمر شریف آپ کی پچہتر برس سات مہینے تھی،

تصنیفات:- آپ کی تصنیفات و تالیفات کا دائرہ نہایت وسیع ہے، علوم حکمیہ و کلامیہ فقہیہ میں آپ کی تصنیفات بکثرت ہیں، جن میں سے کسیقدر ذکر کیجاتی ہیں۔

(۱) تجرید:- علم کلام میں بےمثل کتاب ہے، ایسی مختصر تنقیح ادلہ و اقوال پر مشتمل کتاب آجتک نہیں لکھی گئی، اس پر بڑے بڑے علماء نے شرحیں لکھی ہیں، ملا علی قوشجی صاحب شرح جدید (بر تجرید) کہا کرتے تھے، اگر خواجہ کا عرب شاگرد (علامہ حلی) تجرید پر شرح نہ لکھتا تو بیشک تجرید مجمل رہتی، اور ایک حرف بھی کسی کی سمجھ میں نہ آتا،

(۲) تجرید فی المنطق [3] کتاب اساس الاقتباس [4] شرح اشارات، [5] تحریر اقلیدس [6] و تحریر مجسطی [7] تحریر متوسطات [8] زیج ایلخانی [9] کتاب تذکرہ در ہیئت [10] رسالہ معینیہ در ہیئت [11] رسالہ سی فصل تقویم اسطرلاب کی شناخت میں [12] کتاب جامع الحساب [13] و کتاب فوائد العقائد، [14] شرح مفصل [15] رسالہ در جبر و قدر، [16] رسالہ اجوبہ سوالات شیخ صدر الدین قونوی، [17] رسالہ ایراد کاتبی بر دلیل حکما در اثبات واجب [18] رسالہ در بحث امامت، [19] ترجمہ کتاب زبدۃ الحقائق عین القضاۃ ہمدانی اور اس کے مشکل مقامات کا حل [20] کتاب امیر ناصر الدین محتشم کی فرمائش سے لکھی تھی، اخلاق ناصری باسم ناصر الدین مذکور، [21] کتاب ثمرہ بطلیموس وغیرہ ان کے علاوہ علم رمل و جفر میں بھی آپکی لاجواب تصنیفات موجود ہیں۔

اخلاق و عادات:- ایک عالم باعمل کے جو اخلاق ہونے چاہئیں، وہ بحد کمال آپ میں موجود تھے، کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ کو خط لکھا، اس میں ایک نازیبا کلمہ تحریر کیا، آپ نے نہایت علم و تحمل کے ساتھ اس کا جواب دیا، آپ نے فرمایا کہ تم مجھے فلاں حیوان کہتے ہو یہ غلط ہے، مجھ میں اور اس میں بہت فرق ہے، اسکے ناخن بہت تیز ہیں، میرے نہیں، میری اور اسکی آواز میں فرق بیّن ہے، میں ہنستا ہوں وہ اس صفت سے عاری ہے، پھر میں کس طرح وہ ہوسکتا ہوں،

آپ کے فضل و کمال کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ علامہ حلی علیہ الرحمہ جیسے بزرگوار آپ کے سامنے زانوے ادب تہ کرنے والے ہیں، رحمۃ اللہ علیہما

قومی حالات

شیعون کے قومی حالات پر نظر کرتے ہوئے سب سے پہلے جس چیز پر نظر پڑتی ہے وہ "آل انڈیا شیعہ کانفرنس" ہے اس کے حالات روز بروز بد سے بدتر ہی ہوتے جا رہے ہیں،

سب سے پہلے یہ مسئلہ زیر بحث آیا، کہ تخصیص صدارت علما کے لئے جو کی گئی ہے وہ جائز ہے یا ناجائز، یہ مسئلہ طے ہوا، صدارت عام ہو گئی یعنی اہل دول کو بھی اس کی صدارت سے فیضیاب ہونا چاہیئے، یا یون کہیئے کہ کانفرنس کو ان سے فیض اُٹھانا چاہیئے اس میں شک نہیں کہ تعمیم صدارت میں حصول زر کا راز پنہان ہے اگر ہو، دنیا کے کام ہیں، دنیا کے ہی رنگ میں چلتے ہیں،

خلاصہ یہ کہ کانفرنس تخصیص سے نکلکر تعمیم کے پلیٹ فارم پر آ گئی، اس کے بعد اس مسئلہ پر نظر گئی کہ کانفرنس کے پاس کردہ ریزولیوشن بغرض منظوری جو جماعت علما کے سامنے پیش ہوتے ہیں یہ امر کانفرنس کے وقار کو گھٹانے والا ہے اور نظارت شرعیہ کی نگرانی ایک بیہودہ شے ہے، آخرکار کانفرنس نے اس نظارت سے بھی گلو خلاصی کر لی اور جماعت علما تقریباً اس روز سے الگ ہو گئی، اگرچہ کچھ ہستیان کانفرنس میں شریک نظر آتی ہیں لیکن ایمان کی یہ ہے کہ ان حضرات متقدمین نے اپنے گروہ سے الگ ہو کر اپنے وقار میں کوئی خاص اضافہ نہیں کیا بلکہ مجھے تو نمایان کمی محسوس ہوتی ہے، خیر

ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند

اب خیال تھا کہ ان تمام پابندیون سے آزاد ہو کر کانفرنس کچھ چیز بن جائے گی لیکن واقعات اس خیال کی ہمراہی سے انکار کرتے ہیں،

اراکین کانفرنس نے غلطیون پر غلطیان شروع کیں اور سب سے زیادہ ناگوار رویّہ جو کانفرنس نے ظاہر کیا وہ شیعہ کالج کے متعلق ہے

یہ صحیح ہے کہ شیعہ کالج حضرات علمائے کرام کے زیر اثر ہے اور میری ذاتی رائے اس کے متعلق یہ ہے کہ ہونا چاہیئے، ان کے زیر اثر رہنے سے ممکن ہے کہ کالج میں کچھ کمزوریان بھی ہوئی ہون، ہونے دیجیئے مضائقہ نہیں ہے، دیکھنا یہ ہے کہ جس رُوح کو زندہ کرنے یا قائم رکھنے کے لئے یہ کالج قائم ہوا ہے آیا وہ مقصد علمائے کرام کے زیر اثر رہنے سے حاصل ہو سکتا ہے یا انکی علیحدگی سے؟ صورت ثانی غیر معقول ہے، پس ہمیں سکون قلب کے ساتھ ان وعدون کو دیکھنا چاہیئے جو قوم سے کئے گئے ہیں،

شیعہ کانفرنس کی طرف سے جو انتہائی شرمناک حرکت ظاہر ہوئی ہے وہ مقدمہ ہے جو شیعہ کالج کے خلاف دائر کیا گیا، اور بڑے بڑے ارباب حل و عقد نے جس کا ریزولیوشن پاس کیا، یہ شاید پہلی مثال ہے اور اپنی نوعیت کا یہ نرالا ہی مقدمہ ہے، کسی قومی انسٹیٹیوٹ کے متعلق کسی چندہ دینے والے نے یہ دعویٰ نہ کیا ہوگا کہ انسٹیٹیوٹ کا طریقہ عمل میری رائے کے خلاف ہے، لہٰذا میرا چندہ واپس کیا جائے، ظاہر ہے کہ اس مقدمہ کی پس پشت کانفرنس اپنی پوری طاقت سے جلوہ فرما تھی لیکن آخرکار اسے ذلت آمیز شکست ہوئی، بالیقین اس کا رہا سہا وقار جاتا رہا، اور اب اسے یہ بھی حق نہ رہا کہ کسی وقت بھی شیعہ کالج کو اپنی ذات سے منسوب کر سکے یا اسکے نظم و نسق میں کسی قسم کی مداخلت کر سکے، سوائے اسکے اب کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی انتقامی سپرٹ کو خرچ کرتے ہوئے ہمیشہ شیعہ کالج کی تخریب کے درپے رہے اور اُدھر کالج کے اراکین پر ترچھی نگاہیں ڈالتے رہیں ظاہر ہے کہ یہ امر دونون کی ترقی کیلئے سنگ راہ ہے کانفرنس کے جدید سکرٹری نے اس خلیج کی وسعت کو کم کرنا چاہا مگر کانفرنس کی ایک خاص پارٹی نے انہیں تنگ آ کر استعفا پر مجبور کر دیا،

اس علیحدگی پر جو اخبار اتحاد امروہہ نے روشنی ڈالی ہے وہ باعثِ
عبرت ہے، سکرٹری کا طرزِ عمل ہر پہلو سے قابلِ ستائش معلوم ہوتا
تھا، لیکن افسوس ہے کہ پارٹی بازی نے مجبور کر دیا اور وہ علیحدہ
ہو گئے، بلاشک و شبہ یہ علیحدگی کانفرنس کے لئے ایک غارِ عمیق
سے کم نہیں جو اس نے اپنی راہ میں کھودا ہے،

کانفرنس کا ارگن جو نہایت متکبرانہ انداز سے اخبار اتحاد کو
تھرڈ کلاس اخبار سے تعبیر کرتا ہے وہ بھی کانفرنس کے لئے
آخر کار مایۂ ندامت ثابت ہوگا،

قصۂ مختصر یہ ہے کہ اسوقت کانفرنس کی حالت کو احتضاری
حالت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جب تک موجودہ پالیسی بدلیگی
جب تک صائب الرائے ارباب دیانت حضرات (وہ قدیم
ہوں یا جدید) اس میں شامل نہوں گے جبتک فخر و غرور کی
بیخکنی نہوگی اسوقت تک اس کا سنبھلنا مشکل اور سخت مشکل ہے،

زنانہ شیعہ یتیم خانہ

ارباب نظر کا خیال ہے کہ مولانا شبلی مرحوم اپنے زمانہ میں اسکیم
بازی کے ماہر تھے اور نئی سے نئی اسکیم ہر وقت ان کے
سامنے دست بستہ حاضر رہتی تھی،

چشم بددور اب شیعوں میں بھی اسکیم بازی کی روح دوڑ رہی
ہے اور زنانہ شیعہ یتیم خانہ کے متعلق کافی پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے،
اچھا پہلے ایک لطیفہ سن لیجے،

ایک واقف حالات بزرگ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایران کی
مجلس شوریٰ کے اجلاس میں ایک ممبر نے یہ تجویز پیش کی
کہ عورتوں کو بھی ووٹ کا حق ملنا چاہیئے، یہ صاحب تازہ ولایت پلٹے
تھے یوروپ کے جلوے ان کی نگاہوں میں تازہ تھے اور وہ چاہتے
تھے کہ آج ہی ایران تہذیب یوروپ کا سب سے بڑا علمبردار بن
جائے، دل میں شور تھا اور زبان میں زور، قوت نطق ساحرانہ
انداز دکھا رہی تھی اور تمام مجمع گویا ان کے قابو میں تھا، تقریر کے
ختم پر حاضرین محویت کے عالم میں تھے،

ختم تقریر پر ایک دوسرے بزرگوار پلیٹ فارم پر آئے، جناب صدر
سے اظہار خیال کی اجازت لی اور حاضرین کو مخاطب کرتے
ہوئے کہا کہ حضرت مستطاب تجدد مآب نے جو کچھ فرمایا حرفاً
حرفاً صحیح و درست لیکن میں ایک واقعہ کی طرف آپ کی توجہ
مبذول کرانا چاہتا ہوں،

کسی گھر میں جشن عروسی برپا تھا، اور دستور کے موافق عروسی کے
گھر میں تمام عزیز قریب عورتیں جمع تھیں، سمدھنیں بھی آئی
ہوئی تھیں، مشاطہ دولھن کو آراستہ کر رہی تھی، عین اسی حالت میں
قضائے کار دولھن کی ..... صادر ہو گئی، جس سے تمام
عورتیں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں، کوئی مسکرائی کسی نے
قہقہہ لگایا، اور ادھر دولھن پر گھڑوں پانی پڑ گیا، چالاک بدست
مشاطہ نے فوراً اس ناگہ بے ہنگام کی تاویل شروع کی کہ
بارک اللہ کیا کہنا، ایسا شگون قسمتوں سے میسر آتا ہے، اسکے
معنی یہ ہیں کہ پہلے ہی سال چاند سا بیٹا گود میں کھیلیگا،
سب عورتیں خوش ہو گئیں، دولھن بھی وجد میں آ گئی اور
اسی حالت وجد و سرور میں لگاتار ایک، دو، تین، چار
اس پھلجھڑی سے مشاطہ بھی حیران، اب کیا تاویل کرے
آخر گھبرا کر بولی کہ "خانم اولیت را جوان کن باز دیگر را"
ذرا پہلے کو تو خوش سنبھال بیٹھے دو بیٹا اور جن لیا، میں [illegible]
والا پہلے فرزند کی تو تربیت فرمالیں پھر اور مہربانی توجہ کرنا،

بعینہ یہی حالت ہمارے اسکیم بازون کی ہے، ایک اسکیم پوری نہیں ہوئی، جھٹ دوسری موجود، اسے سمجھنے بھی نہیں پائے تیسری نمودار، آخر یہ تماشا کیا ہے، یتیم بچون کا یتیم خانہ تماشے معراج کمال پر پہونچ چکا، جواب یتیم بچیون کی طرف توجہ فرمانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے،

سکیم کے حسن و قبح سے ابھی بحث نہیں، لیکن کاغذی نقوش اور ہیں اور میدان عمل اور ہے، یہ صحیح ہے کہ اگر ایک ایک پیسہ ہر شیعہ سے وصول کیا جائے تو لاکھون تک نوبت پہونچتی ہے، بڑا پرانا مقولہ ہے ؎

چو از ستانی از ہر یک جوئے سیم
کہ گرد آید ترا ہر روز گنجے

لیکن سوال تو یہ ہے کہ عملاً بھی ایسا ہوا ہے یا اس کی امید ہے؟ علاوہ ازین غالبًا ابھی قوم میں اتنی تہذیب نہیں آئی کہ وہ اپنی لڑکیون کو کسی دور دراز مقام پر بھیجنا گوارا کرے، ہان کوئی ایسی ہی لاوارث مل جائے تو ملجائے ورنہ افراد عمومی کے دماغ ابھی اتنے روشن اور منور نہیں ہیں، پھر ان فضولیات سے حاصل کیا؟

افلاس آہ افلاس

کوئی شک و شبہ نہیں کہ آجکل یون تو تمام مسلمان مفلس ہیں لیکن بالخصوص شیعہ قوم واقعًا مفلس ہے، ان کے قومی ادارے یا اخبارات و رسائل جو آجکل تمام قومون سے عقب پڑے ہوئے ہیں، اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ افراد قوم بخیل ہیں اور وہ بخل کی وجہ سے ان کی سرپرستی نہیں کرتے، حاشا وکلا بلکہ فی الحقیقت بلائے افلاس قوم کے دامن سے چپٹی ہوئی ہے،

عبرت کا مقام ہے کہ ایک بزرگوار نے رعایتی قیمت پر عرفان طلب کیا اور وعدہ کیا کہ قیمت ماہ آئندہ میں بذریعہ منی آرڈر روانہ کردی جائیگی، اختتام سال پر وعدہ وفائی کی یاددہانی کی گئی، یہ بزرگ ایک دفتر میں اہلکارانہ حیثیت بھی رکھتے ہیں، بعد چندے جواب ملا کہ عدم ترسیل چندہ وعدہ خلافی کی بنا پر نہیں، بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ قلیل رقم بھی میں اس وقت تک پس انداز نہ کرسکا، اس بزرگوار کے بیان کو غلط باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی شخص چند پیسون کی ادائیگی کے لئے اپنے آپ کو اتنا مجبور ثابت کرے، اسلئے کہ عزت نفس مانع ہوتی ہے، میرے نزدیک یہ واقعہ بالکل صحیح ہے اور حالت عمومی کا آئینہ، یہ ایک قاعدہ ہے کہ قوم میں جب افلاس عمومی کی ہوا چلتی ہے تو وہ نفوس جو کچھ دولت دنیا کے مالک ہوتے ہیں، ان میں بھی خواہ مخواہ بخل کی شان پیدا ہوجاتی ہے، اور اگر عوام ذرا اچھی حالت میں ہون تو صاحبان زر کے کیسون کے منہ اکثر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں، ہذا ایسی صورت میں اہل تمول سے بھی کوئی خاص امید نہیں ہو سکتی، یک انار و صد بیمار،

اس افلاس کو دور کرنے کی کوئی اسکیم تجویز کیجے، اس بلا کو دور فرمائیے، پھر ہر کیک با سانی سرسبز ہوسکتی ہے، اور جب تک یہ بلا مسلط ہے اس وقت تک کوئی کام بھی سلیقہ کے ساتھ نہو سکے گا،

ذرا غور کرو، اور دیکھو کہ جس قوم میں جتنا تمول ہے اسی نسبت سے ان کے قومی امور بھی سرسبزی کی حالت میں ہیں ٭ ٭ ٭

منظومۂ مدحیہ کہ نقشش عقل است

(عالیجناب خان بہادر سید احمد علیخان صاحب مدظلہ از پٹنہ)

(سلسلہ کے لئے جنوری کا مجلہ عرفان ملاحظہ ہو)

ہفت اطباقِ زمین از حکمِ او
تا ابد قائم معلق در ہوا

دلبرش شاہِ خراسان۔ بوالحسنؑ
آفتابِ چرخِ تسلیم و رضا

گفتۂ سیمائے او بدرِ منیر
چہرۂ زیبائے او شمس الضحیٰ

آن ولیِ ہشتمیں کز نورِ او
ہشت جنّاتِ عُلا رونق فزا

آں امامِ ثامنِ ضامنؑ کہ بود
حافظِ خلق۔ آمن ہر دو سرا

آن ضمینِ خشک و تر کز یُمنِ او
شُد برون از بطنِ حوت ابنِ متّٰی

باب او بابُ الحوائج بہرِ خلق
نام او نجمِ سپہرِ اعتلا

چون بہ غربت آن شہِ مسموم کرد
جان بحق تسلیم راضی بالقضا

مسند آرائے امامت شُد تقیؑ
رونق افزائے شبستانِ تقا

گوہرِ رخشانِ دُرجِ معرفت
اخترِ تابانِ بُرجِ اتقا

پیشوائے اغنیائے ذی ہمم
سرگروہِ اولیا و اتقیا

نہ فلک قائم ز عرفش بے عمد
نہ عرض از جوہرش دارد تقا

نسلِ جدِّ امجدش بابُ المراد
چون شہ مشکل کشا حاجت روا

گر رواقِ او بود گردون قباب
روضۂ فرزندِ او جنّت نما

قاسمِ جنّت جوادؑ۔ ابن جواد
ادیِ امت بہ برجِ ہدا

آن علیؑ بوالحسنؑ عاشر امام
آن ولیِ ذوالمنن چون مرتضیٰؑ

ناسیہ فرسا بہ پائش گرگ و شیر
بر جنابش حور و غلمان جبہہ سا

دہ عقول از رحمتِ پروردگار
یافتہ در سایہ اش نشو و نما

نقشِ پائش سجدہ گاہِ مومنین
کفشِ پائش تاجِ فرقِ اصفیا

نورِ عینِ او زکیِ العسکریؑ
حامیِ ملت۔ سمیِّ مجتبیٰؑ

حُبِّ او مفتاحِ جنّاتُ النعیم
نورِ او مصباحِ بزمِ اذکیا

آن عمادِ یازدہ ارکانِ دین
آن عمیدِ امتِ خیر الورا

گلشنِ ذہن و ذکا را یاسمن
آسمانِ عقل و دانش را ذُکا

زوجِ نرجسؑ۔ دلبرِ سوسن حسنؑ
والدِ ماجد امامِ عصرؑ را

آن سمیِ مصطفےٰؐ ظلِ الٰہ
مہدیِ دین قائمِؑ آلِ عبا
در ثنائے آن شہِ عالی مقام
مطلعِ تازہ رقم کن احمدا

مطلعِ ثانی

مرحبا اے سرورِؑ دین مرحبا
حبذا اے حجتِ حق حبذا
مرحبا اے وارثِ اُمّ الکتاب
مرحبا اے باعثِ ہر دو سرا
حبذا اے فارسِ دشتِ ہمم
حبذا اے حارثِ غاب و غا
اے زہے فہرستِ فرمانِ قدر
وے ہنے سرلوحِ دیوانِ قضا
اے فروغِ دیدۂ خیر البشرؐ
وے سرورِ سینۂ خیر النساؑ
سالِ میلادِ تو اے شاہِؑ زمن
گفت احمد "قائمِ آلِ عبا" ۲۵۵ھ
جز بہ ذاتِ اقدسِ ختم الرسل
انبیائے ماسلف را پیشوا
در وفا چون رحمت للعالمین
در وغا چون شہسوارِ لافتیٰ
موسیِ الکن زبان را نطق بخش
عیسیِ گردون نشین را مقتدا
وارثِ سیف و قلم - ذوالاحتشام
مالکِ طبل و علم - صاحب لوا
ناظمِ ملک و ملل چون بوالحسنؑ
حاکمِ دین و دول چون مصطفےٰؐ
درگہِ تو مرجع و ملجائے خلق
خرگہِ تو امن و ماوائے ما
گرد راہت زیورِ چرخِ برین
خاکِ پایت افسرِ عرشِ علا
بے رضائے تو درین باغِ جہان
رو حبہ روید نہ گاہے از زمی
بے قضائے تو صدف در قلزمے
پرورد گاہے نہ دُرِّ بے بہا
اے شہِ ارض و سما شمس و قمر
بر وصیدت جبہہ سا صبح و مسا
ذاتِ تو باشد بری از کیف و کم
کے دران گنجائشِ چون و چرا
کے کسِ دامانِ تو دارد بدست
آرزوئے سایۂ بالِ ہما
کے کند او نے گدائے درگہت
سوئے تخت و تاجِ شاہی اعتنا
گلشنِ شرعِ نبی را آبیار
کشتیِ دینِ خدا را ناخدا
عالم ایجاد باشد تا بہ حشر
از ازل وابستۂ ذاتِ شما
تا وجودِ تست باقی در جہان
ناید این دارِ فنا شاہا بقا
آنکہ می گویند اربابِ خرد
ہست برپا ہی قیامِ این سرا
می کند طبعِ علیم نے سواد

خوش باشد آفریں برجِ فلک
ہم تو ہستی آخریں برجِ ہدا

اے کہ چوں بدر الدجیٰ پنہاں ستی
کے نمائی جلوہ چوں شمس الضحیٰ

ہاں شتاب از چہرہ برافگن نقاب
روز و شب ایم مشتاقِ لقا

صحنِ عالم را فرو بگرفتہ است
ظلمتِ کفر و ضلل وا حسرتا

ہاں بیا بیرون ز انوارِ خودت
دور کن تاریکی و بخش انجلا

اے گلِ بستانِ احمدؐ پاک کن
باغِ دیں را زود از خارِ جفا

برہ بخیز اے قافلہ سالارِ خلق
گوش می دارم بآوازِ درا

ہاں علم کن ذوالفقارِ حیدری
وے قلم کن فرقِ نحسِ اشقیا

برکن از ارض بیخِ اہلِ فتن
برفگن از دہر بنیادِ عدا

مردم رضواں ثنا خوانت مدام
بر فلک روح الامیں مدحت سرا

زہے علوِ شانِ تو کاندر صحف
خالقِ اکبر کند مدح و ثنا

زر مدیحِ ذاتِ تو قرآنِ حق
ہست مملو ز ابتدا تا انتہا

کے بیاید وصفت اے ممدوحِ حق
از زبانِ آحملِ ہرزہ سرا

صبحِ انتظار

ذیل کی نظم عالیجناب سید شوکت علی صاحب فراق رئیس ہلور کے جذبۂ ایمانی کا نتیجہ ہے، آج میں اس بزرگوار کو مرحوم لکھنے پر مجبور ہوں آپ میرے تقریباً بیس سال کے دوست تھے ظاہر و باطن یکساں، قلب میں اسلام و ایمان کی جلوہ گاہ، مذہبی امور سے ایک خاص شغف، قومی امور سے خاص دلچسپی، صاحبِ فہم صاحبِ قلم عرفان کا پہلا پرچہ پہونچتے ہی جو محبت نامہ تحریر کیا، اس کی حلاوت فراموش ہونے کے قابل نہیں، خداوند عالم مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ کرامت فرمائے مجھے ان کے فرزند سعید سید عترت حسین صاحب سے اس مصیبت میں دلی ہمدردی ہے اور امید کرتا ہوں کہ وہ مرحوم کے نقشِ قدم پر چلینگے اور مرحوم کے وصایا پر عامل ہونگے، ناظرینِ عرفان مرحوم کے لئے ایک سورۂ فاتحہ سے دریغ نہ فرمائیں ؛

بحمد اللہ عالم میں خوشی ہر سمت چھائی ہے
سحر بنکر پری پیکر جہان میں آج آئی ہے

ہے ہنگام سحر مولا کا یہ وقتِ ولادت ہے
منادی نے صدا افلاک سے پیہم سنائی ہے

بیانِ عالمِ امکان نہیں ہے آپکا ثانی
جنابِ عسکریؑ کے پاس یہ کیسی کمائی ہے

امامِ دین و دُنیا حجتِ حق مہدیٔ دوراں
کسی نے منزلت کب آپ کی مانند پائی ہے

طلوعِ آفتابِ دیں کے باعث آج گردوں نے
ضیا دیکھو تو چشمِ مہر نے کس درجہ پائی ہے

زمیں ہی کچھ نہیں ہے نعرۂ تکبیر سے گونجی
صدائے نعرۂ صلِ علےٰ گردوں سے آئی ہے

مرِ محبوب کی توصیف ناممکن ہے انساں سے
پھسل جائے نگاہِ شوق یہ رُخ کی صفائی ہے

تری ہی ذات مولا باعثِ تخلیقِ عالم ہے
ترے ہی واسطے خالق نے یہ دُنیا بنائی ہے

مری آنکھوں میں پھرتا ہے زمانہ تیری رحمت کا
تری محکوم اے شاہِ زماں ساری خدائی ہے

ہے بدتر موت سے بھی انتظار اب شکل دکھلا دے
کہ جانِ منتظر گھبرا کے میرے لب پہ آئی ہے

بلا و رنج میں اب گھر گیا ہے آپ کا بندہ
میرے مولا میرے ہمدردم مشکلکشائی دے

دکھا دیجے جمالِ پاک مشتاقوں کو اے مولا
بہتوں کے دلوں پر شاق حضرت کی جدائی ہے

عجب وہ دن مسرت خیز ہوگا جب کہونگا میں
ابھی آواز جاء الحق میرے کانوں میں آئی ہے

فراقِ منتظر شرطِ صداقت جزوِ ایماں ہے
اگر ایمان قائم ہے یہی دل کی صفائی ہے

وہ دن بھی آنے والا ہے مبارک ہو تو دیکھیگا
رکابِ حضرتِ حجت ہے اور تیری کلائی ہے

مسلمانوں کی ذہنیت

مولانا محمد علی مرحوم کا ماتم

کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جس نے مولانا محمد علی کی موت کا صدمہ محسوس نہ کیا ہو یہ احساس یوں بھی تکلیف دہ ہے کہ مسلمانوں میں قحط الرجال ہے جو گذر جاتا ہے وہ اپنی جگہ ہمیشہ کے لئے خالی کر جاتا ہے، مرحوم کی عمر کا ایک معتدبہ حصہ سیاسیات میں گذرا کوئی شک نہیں کہ کتاب سیاست پر ان کی کافی نظر تھی لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مرحوم کا دماغ سیاست سے مناسبت نہ رکھتا تھا، وہ ایک آتشیں یا یوں کہیئے کہ سپاہیانہ طبیعت لیکر آئے تھے، طبعاً آزاد تھے، آزادی پسند تھے لیکن فطری جوش میں آزادی کے ساتھ کبھی ملکر ان حدود سے باہر ہو جاتا ہے جو وادیٔ تدبر کو احاطہ کئے ہوئے ہیں، وسعت نظر مسلّم تھی، اور قوت تحریر و تقریر خدا داد لے کر آئے تھے اور اس میدان کے وہ پورے شہسوار تھے ہمیں ان کی مہارت سیاست تسلیم ہو یا نہ ہو لیکن ایک خاص روشن پہلو جو ان کی زندگی کا جزو تھا وہ یقیناً دلکش تھا اس نقطہ پر نظر کرتے ہوئے وہ مہاتما گاندھی کے نقطۂ مقابل تھے، توضیح مقال یہ ہے کہ مہاتما جی کی سعی ملکی سیاست میں کارگر ہوا ہو یا نہ ہو لیکن ہندوازم پر ان کا خاص احسان ہے وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں عملی طور سے ہندوازم کی تبلیغ کرتے ہیں، اسلامی لیڈروں میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو اس شان سے اسلامی تبلیغ کے خیال کو اپنے قلب میں جگہ دیئے ہوئے ہو، ان مرحوم کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ ہر مجمع میں اپنی اسلامیت کی نمائش کرتے تھے جس کا نمونہ اور

دلربا نمونہ ان کی آخری تقریر میں بھی درخشاں ہے، اگرچہ
سیاسیات میں قدم رکھکر وہ پردے کو خیرباد کہہ چکے تھے
جو یقیناً بروئے قرآن واجب ہے، بہرطور کچھ بھی ہو ان کا
وجود عالم اسلام کے لئے کسی نہ کسی حیثیت سے نفع بخش
ضرور تھا، اور اب کوئی ہستی نظر نہیں آتی جو اس نقصان کی
تلافی کر سکے،

مرحوم کے تاسف انگیز انتقال پر مسلمانوں کی ذہنیت کا نظارہ
بہت کچھ یاس افزا ہے، اصل یہ ہے کہ جو قوم نقطۂ اعتدال
سے ہٹ جاتی ہے اس کی کوئی بات بھی ٹھکانے کی نہیں
ہوا کرتی، ملاحظہ فرمایئے کہ سفر لندن کے لئے جہاز میں قدم
رکھنے تک وہ غدار تھے ملت فروش تھے، حکومت پرست
تھے، غرض تمام برائیوں کا مجموعہ تھے، اور اگر وہ صحیح و سلامت
ہندوستان میں آجاتے جب بھی ان کے عمل پر زبردست
تنقیدیں ہوتیں، لیکن انکی موت نے دفعتہً کایا پلیٹ
کردی، کل تک جو شخص غدار قوم تھا وہ آج شہید اعظم ہے،
اور شفاعت مجرمین کا تاج اس کے سر پر مسلمانوں کے ہاتھ
سے رکھا جا رہا ہے، کیا اس سے بڑھکر کسی قوم کی بدمذاقی کا
ثبوت مل سکتا ہے، ان کے نزدیک انسان کے لئے صرف
دو درجے ہیں یا وہ غدار ہے اور یا شہید اعظم اور شفیع المذنبین،
اس مقام پر ایک لطیفہ نہایت موزون ہے، ہندوستان سے
باہر ایک مقام پر سنی شیعہ میں فساد ہو گیا، قصہ بہت طویل
ہے لیکن اس قصہ کی روح یہی لطیفہ ہے،

جگہ جگہ یہی ذکرہ تھا اور گلی گلی یہی چرچا، قہوہ خانے اسکی
ذکر کے مرکز تھے ایک قہوہ خانے میں ذکر چلا، ایک شخص
نے نہایت جوش میں کہا کہ دیکھو اس بدبخت شیعہ مولوی
نے حضرت عمر کو جو ہمارے نبی تھے، سراجلاس برا کہا، اس
جوشیلے فقرے پر دوسرے مسلمان بھی حیران ہو گئے اور وہ بولے
کہ بھائی جان حضرت عمر نبی نہ تھے، اس تردید پر اس کا غصہ
اور بھڑک اٹھا اور کہا کہ اگر وہ نبی نہ تھے تو کیا فلاں چیز
تھے لاحول ولا قوۃ، سارا مجمع لال پیلا ہو گیا، اب اسکی
حماقت پر غصہ بھی آتا ہے، ہنسی بھی آتی ہے، اگر وہ سیطرح
بکتا جھکتا وہاں سے نکل گیا،

یہ تو ایک شخص جاہل کی ذہنیت ہے کہ اس کے نزدیک یا
انسان کو نبی ہونا چاہیئے، اور یا اعضائے سفل میں کوئی عضو
لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس حمام میں سب ننگے نظر آتے ہیں
عالم و جاہل سب ایک ترازو میں تلتے ہیں، جب قدح کرنے
پر آئے، تو دنیا بھر کی کوئی برائی ایسی نہ رہی، جو مقدوح میں
موجود نہ ہو اور جب مدح پر اترے، تو مدارج انسانیت
میں کوئی درجہ ایسا نہ رہا جو ممدوح میں ثابت نہ کیا جاتا ہو
جنس شہادت تو آجکل ارزاں ہے اور بہت ارزاں، بقول
معزز معاصر تیر فیض آباد کہ مچھر کے نیش سے خون نکلا
اور انسان شہیدوں کی صف میں داخل ہوا، لیکن شفاعت
مذنبین کی اپج نئی اپج ہے، اور وہ بھی ایک فلسفی کے
قلم سے، خدا اس فلسفہ دانی پر رحم کرے، غالباً یہ وہی
فلسفی ہیں، جنہیں حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ کے
ڈین پیرے سے فلسفی شاہ کا لقب عطا ہوا ہے،
فلسفی شاہ کا نظریہ ایک لحاظ سے غلط بھی نہیں ہے
کہ جب ایک ملحد آناً فاناً تصوف کے تمام مدارج طے کرکے
فلسفی شاہ ہو سکتا ہے تو کیا معنے کہ ایک غدار اور ملت
فروش شفیع المذنبین نہ بن جائے،

ہمیں یقین ہے کہ اگر مرحوم کی زندگی میں کوئی اس لقب سے
انہیں یاد کرتا تو وہ کہنے والے کو اپنا دشمن سمجھتے،

اور اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی رُوح ایسے مدح گستروں سے ضرور کوستی ہوگی،

معزز معاصر سہیل یمن شکوہ طراز ہے کہ مرحوم کی تعزیت میں کالے علم نکلے، دوکانیں بند ہوئیں، نوحہ سرائیاں کی گئیں، لیکن یہی چیزیں جب فرزند رسولؐ کی عزاداری کے لئے نمایاں ہوں تو چاروں طرف سے بدعت بدعت کی پکار ہوتی ہے اپنا شکوہ نہایت صحیح ہے، اور اسی موقعہ کی کچھ خصوصیت نہیں بلکہ اور بھی مواقع پر اکثر و بیشتر یہ امور ظاہر ہوئے ہیں، اور شیعہ صحائف کی طرف سے برابر یاددہانی ہوا کی ہے، لیکن بسود اس لئے کہ دماغ اس فلسفہ کا عادی ہو جائیگا کہ ہم سے جو کچھ بھی ظاہر ہو وہ عین ایمان و دیانت اور جو کچھ دوسرے کریں وہ سراسر بدعت اور خوفناک بدعت تو اس کا علاج نہیں ہو سکتا ہے، بس یہی کہنا پڑتا ہے کہ خدا مسلمانوں کو عقل سلیم عطا کرے جو مدت سے سلب ہو چکی ہے،

آخر میں مسلمان اہل قلم حضرات سے ہم اعتدال کی خواہش کریں تو نامناسب نہیں ہے، اس غلو سے اہل فہم کو ہنسنے کا موقعہ ملتا ہے لیکن یہ لوگ بھی سمجھ چکے ہیں کہ اہل فہم ہیں کہاں جو جائز کہو پوچھنے والا کون ہے؟ شیعہ گروہ میں سے اگر کوئی کچھ کہے تو متعصب رافضی کہکر اس کے ہر ایراد کو رد کیا جا سکتا ہے اب جو باقی رہے وہ سب اپنے ہی جیسے ہیں ؎

تصحیح ضروری

بحور النعمۃ جلد ثالث کے رعائتی اعلان میں ایک غلطی کی تصحیح ضروری ہے اور یہ غلطی رقوم میں قیمت درج ہونیکی وجہ سے ہوئی، ناظرین اسکی تصحیح یوں فرمالیں کہ چھ روپیہ کی بجائے قیمت پانچ روپیہ ہے اور تین جلد کے خریدار کو ایک جلد مفت ملنے کا پتہ

جناب حاجی غلام علی صاحب حاجی اسمٰعیل بھاؤنگر کاٹھیاواڑ

ریویو

وظائف المومنین

ایک مختصر مگر مفید رسالہ بغرض ریویو وصول ہوا، جس کا نام زیب عنوان ہے، اس رسالہ میں کتب معتبرہ سے وہ دعائیں جمع کی گئیں ہیں، جو قضائے حاجات سے تعلق رکھتی ہیں، مومنین فیض اُٹھائیں، قیمت ۴؎

جعفریہ بک ڈپو سرودھنی ضلع بجنور سے طلب فرمائیے

علموک ولعل الله ان یظلھم برحمته فیعمك معھم واذا رأیت قوما لا یذکرون الله فلا تجلس معھم فان تکن عالما لم ینفعك علمك وان کنت جاھلا یزیدوك جھلا ولعل الله یظلھم بعقوبة فیعمك معھم۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا مجالس کو خوب غور کی نگاہ سے دیکھ اگر تجھے نظر آئے کہ وہاں ایسے لوگ بیٹھے ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے ساتھ بیٹھ جا اب اگر تو عالم ہے تو تیرا علم تجھے نفع پہونچائے گا، (کیونکہ عالم کا علم بھی عالم کی ہی صحبت سے بڑھتا ہے) اور اگر تو جاہل ہے تو وہ تجھے تعلیم دیں گے، اور کیا عجب کہ خداوند عالم ان پر اپنی رحمت کا سایہ ڈالے تو وہ رحمت تجھپر بھی شامل ہوگی، اور جب تو ایسے لوگوں کو دیکھے جو اللہ کا ذکر نہیں کرتے، تو ان کے ساتھ نہ بیٹھ کیونکہ اگر تو عالم ہے، تو تیرا علم تجھے نفع نہ پہونچائے گا، اور اگر تو جاہل ہے تو تیرے جہل میں اور زیادتی ہوگی، اور ممکن ہے کہ اس قوم پر عقب نازل ہو بس وہ غضب تجھے بھی گھیر لے گا (یہ حدیث مرفوع ہے)

الحدیث الثانی علی بن ابراھیم عن ابیه ومحمد بن یحیی عن احمد بن محمد بن عیسی جمیعا عن ابن محبوب عن درست بن ابی منصور عن ابراھیم بن عبد الحمید عن ابی الحسن موسی بن جعفر علیھما السلام قال محادثة العالم علی المزابل خیر من محادثة الجاھل علی الزرابی۔

حضرت امام کاظم علیہ السلام نے فرمایا، کہ مزبلہ پر بیٹھکر عالم سے گفتگو کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ جاہل سے مخملی فرش پر بیٹھکر باتیں کی جائیں۔ (یہ حدیث ضعیف ہے)

الحدیث الثالث عدة من علمائنا عن احمد بن محمد البرقی عن شریف بن سابق عن ابی عبد الله قال قال رسول الله قالت الحواریون لعیسی یا روح الله من نجالس قال من یذکرکم الله رؤیته ویزید فی علمکم منطقه ویرغبکم فی الاخرة عمله حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ نے فرمایا کہ حواریون نے حضرت عیسٰیؑ سے التماس کیا، یا روح اللہ ہم کس کے ساتھ بیٹھیں فرمایا جس کی رویت تمہیں خدا کو یاد دلائے جس کی گفتگو تمہارے علم میں زیادتی کرے اور جس کا عمل تمہیں آخرت کی ترغیب دلائے، (یہ حدیث ضعیف ہے)

الحدیث الرابع محمد بن اسمٰعیل عن الفضل بن شاذان عن ابن ابی عمیر عن منصور بن حازم عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ مجالسۃ اھل الدین شرف الدنیا والاخرۃ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، کہ اہل دین کی مجالست شرف دنیا و آخرت ہے، (یہ حدیث مجہول ہے مگر صحیح کی مانند ہے)

الحدیث الخامس علی ابن ابراھیم عن ابیہ عن القسم بن محمد الاصبہانی عن سلیمان بن داود المنقری عن سفیان بن عیینہ عن مسعر بن کدام قال سمعت ابا جعفر یقول لمجلس اجلسہ الی من اثق من عمل سنۃ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ مجلس جس میں کسی ایسے شخص کے ساتھ بیٹھون جس پر مجھے وثوق ہو وہ میرے نزدیک سال بھر کی عبادت سے خوشتر ہے (یہ حدیث ضعیف ہے)

باب سوال العالم و تذکارہ

اس باب میں عالم سے سوال کرنے اور مذاکرہ اہل علم کا بیان ہے،

الحدیث الاول علی بن ابراھیم عن ابیہ عن ابن عمیر عن بعض اصحابہ عن ابی عبد اللہ قال سالتہ عن مجدور اصابتہ جنابۃ فغسلوہ فمات قال قتلوہ الا سئلوا فان دواء العی السوال،

راوی کہتا ہے میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے پوچھا، کہ ایک چیچک والے کو

غسل جنابت کی حاجت ہوئی لوگوں نے اُسے نہلا دیا، اور وہ مر گیا، آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس کے قاتل ہیں انہوں نے کیوں مسئلہ نہ پوچھا، بالتحقیق کہ جہالت اور نادانی کی دوا سوال ہے، (یہ حدیث حسن ہے)

الحدیث الثانی محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد بن عیسے عن حمّاد بن عیسے عن حریز عن زرارہ بن اعین و محمد بن مسلم و برید العجلی قالوا قال ابو عبد اللہ لحمران بن اعین فی شیٍ سالہ انّما ھلک النّاس لانّھم لا یسئلون۔

حضرت صادق علیہ السلام نے حمران بن اعین سے فرمایا، جبکہ حمران نے ایک مسئلہ پوچھا کہ لوگ اسی لئے ہلاک ہوتے ہیں کہ وہ سوال نہیں کرتے (یہ حدیث صحیح ہے)

الحدیث الثالث علی ابن محمد عن سھل بن زیاد عن جعفر بن محمد الاشعری عن عبد اللہ بن میمون القداح عن ابی عبد اللہ قال قال انّ ھذا العلم قفل ومفتاحہ السؤال،

راوی کہتا ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا، کہ واقعًا یہ علم قفل ہے جس کی کلید سوال ہے، (یہ حدیث ضعیف ہے)

الحدیث الرابع علی بن ابراھیم عن ابیہ عن النوفلی عن السکونی عن ابی عبد اللہ مثلہ

اس دوسری سند سے بھی یہی حدیث مرقومہ بالا مروی ہے (یہ سند بھی ضعیف ہے)

الحدیث الخامس علی ابن ابراھیم عن محمد بن عیسیٰ بن عبید عن یونس بن عبد الرحمٰن عن ابی جعفر الاحول عن ابی عبد اللہ قال لا یسع حتّی یسئلوا و یتفقھوا و یعرفوا امامھم و یسعھم ان یاخذوا بما یقول وان کانت تقیّۃً

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لوگوں کو کسی عمل کی گنجائش نہیں ہے یہاں تک کہ وہ سوال کریں اُسے سمجھیں اور اپنے امام کو پہچانیں، اور پھر انہیں گنجائش ہے کہ فرمودہ امام پر عمل کریں، اگرچہ وہ از روئے تقیہ ہو (یہ حدیث صحیح ہے)

اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو اپنی رائے اور اپنے قیاس سے عمل کرنے کا اختیار نہیں وہ تمام امور دینیہ میں محض محتاج ہے، اگر اپنی رائے سے عمل کرے اور وہ عمل موافق حق بھی ہو جب بھی وہ ثواب سے خالی اور گناہ سے قریب ہوگا، پس لازم ہے کہ امام سے سوال کرے (اور غیبت کے زمانے میں ان لوگوں سے پوچھے جو اُن کے علوم کے حامل ہیں) جواب کو سمجھے، امام کی معرفت حاصل کرے بلکہ یہ معرفت مقدم ہے، کیونکہ جب تک امام کی معرفت نہ ہوگی وہ امام سے سوال ہی نہ کرے گا، اور جب فرمودہ امام اس کے سامنے آئے تو اسپر بلا تکلف عمل کرے، اگرچہ وہ ارشاد از روئے تقیہ ہو، اور اغیار کے موافق ہو جب بھی مثاب ہوگا، بشرطیکہ اس کو تقیہ نہ سمجھا ہو، اور اگر سمجھ لے کہ از روئے تقیہ امام نے یہ فرمایا ہے تو اوقات تقیہ میں اسپر عمل کر سکے گا،

الحدیث السادس علی بن محمد بن عیسیٰ عن یونس عمن ذکرہ عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ اف لرجل لا یفرغ نفسہ فی کل جمعۃ لامر دینہ فیتعاھدہ ویسئل عن دینہ وفی روایۃ اخری لکل مسلم،

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اس شخص پر حیف ہے جو ہر جمعہ کے دن مشاغل دنیا سے امر دین کے لئے فارغ نہ ہو پس اس امر کا پابند ہو اور دینی مسائل کا سوال کرے، اور دوسری روایت میں بجائے "رجل" "مسلم" واقع ہوا ہے (یہ حدیث مرسل ہے)

الحدیث السابع علی ابن ابراهیم عن ابیه عن ابن ابی عمیر عن عبد اللہ بن سنان عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ ان اللہ عزّ وجلّ یقول تذاکر العلم بین عبادی ممّا یحیی علیه قلوب المیتة اذا هم انتهوا فیه الی امری

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا خداوند عالم فرماتا ہے کہ مذاکرہ علمی میرے بندوں میں وہ چیز ہے جس سے قلوب مُردہ زندہ ہوتے ہیں، بشرطیکہ یہ مذاکرہ میرے حکم کے مطابق ہو (یہ حدیث حسن ہے)

الحدیث الثامن محمد بن یحیی عن احمد بن محمد بن عیسیٰ عن محمد بن سنان عن ابی الجارود قال سمعت ابا جعفر یقول رحم اللہ عبداً احیی العلم قال قلت ما احیائه قال ان تذاکر به اهل الدین واهل الورع

راوی کہتا ہے کہ حضرت ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا اس بندے پر رحم کرے جو علم کو زندہ کرتا ہے، میں نے پوچھا کہ علم کے زندہ کرنے کا کیا طریقہ ہے، فرمایا یہ کہ اہل دین واہل ورع وتقویٰ کے ساتھ مذاکرہ کرے (یہ حدیث ضعیف ہے)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاکرہ علمی بھی اہل تقویٰ کے ساتھ ہونا چاہیئے نہ کہ ان لوگوں کے ساتھ جو نمائش علمی کے لئے حق کو ناحق اور ناحق کو حق کرنا چاہتے ہیں۔

الحدیث التاسع محمد بن یحیی عن احمد بن محمد عن عبد اللہ بن محمد الحجال عن بعض اصحابه رفعه قال قال رسول اللہ تذاکروا وتلاقوا وتحدّثوا فانّ الحدیث جلاء القلوب انّ القلوب لترین کما ترین السیف جلاؤه

حضرت رسول اللہ فرماتے ہیں کہ مذاکرہ کرو، ملاقات کرو، باہم (علمی) گفتگو کرو اس لیے

کہ گفتگوئے علمی سے قلوب کی جلا ہوتی ہے بالتحقیق کہ دل بھی زنگ آلود ہوتے ہیں جیسے کہ تلوار زنگ آلود ہوتی ہے اور اس کی جلا ماند پڑ جاتی ہے (یہ حدیث مرفوع ہے)

الحدیث العاشر عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد عن ابیہ عن فضالۃ بن ایوب عن عمر بن ابان عن منصور الصیقل قال سمعت ابا جعفر یقول تذاکر العلم و دراستہ صلاۃ حسنۃ

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ علم کا مذاکرہ اور اس کی دراست (درس وتدریس) بہتر نماز ہے۔ (یہ حدیث مجہول ہے)

واضح ہو کہ نماز اسی لئے افضل عبادات ہے کہ اس میں ذکر الہی ہوتا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے اقم الصلوٰۃ لذکری میرے ذکر کے لئے نماز کو قائم کر اور ذکر سے مراد محض زبان کی حرکت نہیں ہے بلکہ دل اس کی یاد سے لبریز ہونا چاہیئے اور نماز میں مصلی کا قلب جہاں تک خضوع و خشوع و یاد الہی و جلال و جمال الوہیت کا مرکز ہوگا، اسیقدر اس نماز کا درجہ بلند ہوگا، خلاصہ یہ کہ روح نماز ذکر الہی ہے، پس وہ نماز جس میں یہ ذکر و تذکر ہو اس سے مذاکرہ علمی بالیقین بہتر ہے،

باب بذل العلم

اس باب میں سخائے علمی کا بیان ہے

الحدیث الاول محمد بن یحیی عن احمد بن محمد بن عیسے عن محمد بن اسمٰعیل بن بزیع عن منصور بن حازم عن طلحہ بن زید عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قرات فی کتاب علی ان اللہ لم یاخذ علی الجہال عہدًا بطلب العلم حتی اخذ علی العلماء عہدًا ببذل العلم علی الجہال لان العلم کان قبل الجہل۔

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم نے کتاب علیؑ میں پڑھا ہے کہ خداوند عالم نے جاہلوں سے طلب علم کا عہد نہیں لیا، جب تک کہ علماء سے بذل علم کا عہد نہیں لے لیا، اس لئے کہ علم جہل سے قبل ہے، (یہ حدیث ضعیف ہے مگر موثق کی مانند ہے)

علماء سے بذل علم کا عہد لینے کی حضرت نے یہ علت بیان فرمائی ہے کہ علم جہل سے مقدم ہے حالانکہ بادی النظر میں جہالت کا وجود علم سے مقدم نظر آتا ہے، علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اسکی کئی وجہیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ خداوند عالم ہر شے سے قبل ہے اور علم اس کی عین ذات ہے، پس طبیعت علم طبیعت جہل پر مقدم ہے، دوئم یہ کہ ملائکہ و لوح و قلم و آدم سب جہال بنی آدم سے مقدم ہیں، سوم یہ کہ غایت خلق علم ہے، اور غایت ہمیشہ وو الغایۃ پر مقدم ہوتی ہے اس لئے کہ وہی اس کے وجود کا سبب ہے، چہارم یہ کہ جہل عدم علم کا نام ہے اور اسکی شناخت علم سے ہی ہوتی ہے، پس علم جہل پر از روئے حقیقۃ و ماہیت مقدم ہے، پنجم یہ کہ علم اشرف چیز ہے اور اُسے جہل پر از روئے شرف و مرتبہ تقدم حاصل ہے، ششم یہ کہ جاہل عالم کے ہی ذریعہ سے تعلیم حاصل کرتا ہے،

بعض افاضل کا قول ہے، کہ اگر لفظ قبل ظرف زمان مان لیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ جہال کی خلقت اہل علم کے وجود کے بعد ہوئی ہے، مثلاً ملائکہ و لوح و قلم کا وجود اور اسیطرح اولاد آدمؑ پر نظر کرتے ہوئے حضرت آدمؑ کی خلقت، پس اندرین صورت بالکل صحیح ہے، کہ جب تک عالم سے بذل علم کا عہد نہیں لیا گیا، اسوقت تک جاہل کو طلب علم کی تکلیف نہیں دیگئی، اور یا یہ کہ قبلیت بالرتبہ اور بالشرف ہے، پس اندرین صورت عہد الہی جاہل تک جو پہنچے گا وہ عالم کے ہی توسط سے پہنچے گا،

مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہے، ذات بحت علم سے اولاً علم کا ہی ظہور ہوا، اور وہی مخاطب علم ہے، جتنے اوامر و نواہی ہیں، سب اسی پر بار کئے گئے ہیں اور فی الحقیقۃ وہی مکلف اول ہے، پس وجودات مابعد کو اسکی تبعیت و اطاعت کا حکم دیا

کیاہے اور یہی معنی طلب علم کے ہیں،

الحدیث الثانی، عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد البرقی عن ابیہ عن عبد اللہ بن المغیرہ و محمد بن سنان عن طلحہ بن زید عن ابی عبد اللہ فی ھذہ الآیۃ ولا تصعر خدک للناس قال لیکن الناس عندک فی العلم سواء،

باسناد مذکورہ حضرت صادق علیہ السلام سے آیۂ لا تصعر خدک الخ کے بارہ میں مروی ہے (یعنی تم لوگوں سے متکبرانہ روگردانی نکرو) کہ طالبان علم تیرے نزدیک برابر اور مساوی ہونے چاہئیں مطلب حدیث بالکل ظاہر ہے یعنی ہر سائل سے بکشادہ پیشانی پیش آؤ، یہ نہیں کہ ایک کو بکشادہ پیشانی جوابدو اور دوسرے سے ناک بھوں چڑھاؤ، اور آیۂ اما السائل فلا تنھر (سائل کو مت جھڑکو) کا باطن بھی اسپر دلالت کرتا ہے (یہ حدیث ضعیف ہے مگر موثق کی مانند ہے)

الحدیث الثالث و بھذا الاسناد عن ابیہ عن احمد بن النضر عن عمرو بن شمر بن یزید عن جابر عن ابی عبد اللہ قال زکوٰۃ العلم ان تعلمہ عباد اللہ کما ان للمال زکوٰۃ و زکوتہ الانفاق المستحقین،

باسناد مذکورہ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ تو بندگان خدا کو تعلیم دے جیسا کہ مال کی زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ مال یہ ہے کہ مستحقین پر انفاق کرے،

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ علم اور مال کی زکوٰۃ کئی وجہ سے مشابہ ہے اول یہ کہ مال میں زکوٰۃ حق اللہ ہے، کیونکہ مال انعام الہی ہے ایسی طرح سے علم بھی نعمت الہی ہے اس میں بھی اللہ کا حق ہے، دوم یہ کہ زکوٰۃ سے مال بڑھتا ہے، اسیطرح تعلیم سے علم میں زیادتی ہوتی ہے کیونکہ تعلیم شکر نعمت علم ہے اور حق سبحانہ فرماتا ہے، لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر کروگے تو میں ضرور زیادتی عطا کرونگا اسی لئے زکوٰۃ کو زکوٰۃ کہتے ہیں، کہ اس کے ایک معنی نمو اور زیادتی و ترقی کے بھی ہیں (سوم یہ کہ زکوٰۃ سے مال طاہر ہوتا ہے، اسیطرح تعلیم علم شک و شبہات سے پاک ہوتا ہے، چہارم یہ کہ زکوٰۃ سے مال محفوظ رہتا ہے، اور تلف

نہیں ہونے پاتا اسیطرح تعلیم سے علم محفوظ رہتا ہے اور زائل نہیں ہوتا، یہ حدیث ضعیف ہے اور اس حدیث کے راویوں میں عمرو بن شمر نہائت ضعیف ہے، یہ جابر سے روایت کرتا ہے اور جابر کی کتابوں میں اس نے اپنی طرف سے حدیثیں زیادہ کر رکھی ہیں،

مترجم عرض کرتا ہے کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے مگر مطلب کے اعتبار سے ہمیں ایسا کوئی خرابی نہیں جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے،

الحدیث الرابع علی بن ابراھیم عن محمد بن عیسیٰ بن عبید عن یونس بن عبد الرحمٰن عمّن ذکرہ عن ابی عبد اللہ قال قام عیسیٰ خطیباً فی بنی اسرائیل یا بنی اسرائیل لا تحدثوا الجھال بالحکمۃ فتظلموھا ولا تمنعوھا اھلھا فتظلموھم

باسناد مذکورہ حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وعظ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے بنی اسرائیل جہال کے سامنے حکمت کی باتیں بیان نہ کرو، اگر ایسا کرو گے تو حکمت پر ظلم کرو گے، اور جو اس کے اہل ہیں ان سے نہ چھپاؤ کیونکہ اندریں صورت تم ان پر ظلم کرو گے (یہ حدیث مرسل ہے)

مطلب اس کا ظاہر ہے کہ بذل علم و حکمت کے لئے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ آیا مخاطب اس کا اہل ہے یا نہیں، اور نا اہل کے سامنے امور حکمیہ کا بیان کرنا بھی ایسا ہی ہے، جیسا کہ صاحبان فہم و ذکا سے اس کا چھپانا، یہ حدیث اصل میں "کلموا الناس علیٰ عقولھم" کی طرف رجوع کرتی ہے،

باب النھی عن القول بغیر علم

اس باب میں اس امر کا بیان ہے کہ بغیر علم کوئی بات منہ سے نہ نکالے

الحدیث الاوّل محمد بن یحییٰ عن احمد و عبد اللہ ابنی محمد بن عیسیٰ عن علی

ابن الحکم عن سیف بن عمیرۃ عن مفضل بن یزید قال قال ابو عبد اللہ انھاک عن خصلتین فیھما ہلاک الرجال انھاک عن ان تدین اللہ بالباطل وتفتی النّاس بما لا تعلم،

حضرت صادق علیہ السلام نے مفضل بن یزید سے فرمایا کہ میں تجھے دو خصلتوں سے روکتا ہوں کہ انہیں کی وجہ سے انسان ہلاک ہوتے ہیں میں تجھے اول اس امر سے منع کرتا ہوں، کہ بطریق باطل اللہ کا دین اختیار نہ کرنا، (اعتقادات فاسدہ کو اصول دین میں جگہ نہ دینا) اور بغیر علم لوگوں کو فتوے نہ دینا (یہ حدیث مجہول ہے)

الحدیث الثانی علی ابن ابراہیم عن محمد بن عیسےٰ بن عبید عن یونس بن عبد الرحمٰن عن عبد الرحمٰن بن الحجاج قال قال ابو عبد اللہ ایاک و خصلتین ففیھما ھلک من ھلک ایاک ان تفتی الناس برائیک او تدین بما لا تعلم،

حضرت صادق علیہ السلام نے عبد الرحمٰن بن حجاج سے فرمایا کہ دو خصلتوں سے بچنا اسلئے کہ جو ہلاک ہوا، انہیں کی وجہ سے ہوا، خبردار لوگوں کو اپنی رائے سے فتوی نہ دینا، اور اس چیز کو دین نہ سمجھ لینا، جسے تو نہ جانتا ہو، (یہ حدیث صحیح ہے)

الحدیث الثالث محمد بن یحیٰی عن احمد بن محمد بن عیسےٰ عن الحسن بن محبوب عن علی بن زیاب عن ابی عبیدۃ الحذاء عن ابی جعفر قال من افتی بالناس بغیر علم ولا ھدی لعنہ ملائکۃ الرحمۃ و ملائکۃ العذاب ولحقہ وزر من عمل بفتیاہ

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص بغیر علم و ہدایت لوگوں کو فتوے دے تو اسپر رحمت کے فرشتے نیز عذاب کے فرشتے لعنت کرتے ہیں، اور جو شخص اسکے فتوے پر عمل کرے اس کا گناہ اور وبال اس مفتی کے ذمے (یہ حدیث صحیح ہے)

الحدیث الرابع عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد عن الحسن بن علی الوشا بن زیاد عن ابان الاحمر عن زیاد بن ابی رجا عن ابی جعفر قال ما علمتم فقولوا وما لم تعلموا فقولوا اللہ اعلم ان الرجل لینتزع الاٰیۃ من القراٰن یخر فیھا ابعد ما بین السماء والارض

حضرت ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جس چیز کو تم جانتے ہو اسے بیان کرو اور جسے نہیں جانتے تو کہو کہ اللہ سب سے بڑھکر جاننے والا ہے، جان لے کہ انسان آیہ قرآنی کو استخراج کرکے اس سے استدلال کرتا ہے اور اس استخراج و استدلال میں گر جاتا ہے، اور تحقیق سے اتنا ہی دور نکل جاتا ہے جتنا کہ زمین سے آسمان (یہ حدیث موثق ہے)

الحدیث الخامس محمد بن اسمعیل عن الفضل بن شاذان عن حماد بن عیسیٰ عن ربعی بن عبد اللہ عن محمد بن مسلم عن ابی عبد اللہ قال للعالم اذا سئل عن شئ وھو لا یعلمہ ان یقول اللہ اعلم ولیس لغیر العالم ان یقول ذٰلک

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ عالم سے جب کسی شے کا سوال کیا جائے اور وہ اسے معلوم نہ ہو تو اُسے کہنا چاہیئے کہ اللہ اعلم یعنے اللہ سب سے بڑھکر جاننے والا ہے، لیکن غیر عالم کیلیے اللہ اعلم کہنا جائز نہیں ہے (یہ حدیث مجہول ہے مگر صحیح کی مانند ہے) علت اسکی یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ اعلم کہنے کا وہی حقدار ہے جسپر خود بھی علم کا سایہ پڑا ہو، اگرچہ اسکی کچھ ہی حیثیت ہو کیونکہ افعل التفضیل کا صیغہ اس امر کا مقتضی ہے کہ مفضل علیہ میں بھی کچھ نہ کچھ فضیلت پائی جائے، پس عالم ہی اعلم کہنے کا مجاز ہے، برخلاف ازیں جاہل جسے علم سے کوئی لگاؤ ہی نہیں وہ مجاز نہیں ہے کہ اللہ اعلم کہے۔

الحدیث السادس علی بن ابراھیم عن احمد بن محمد بن خالد عن حماد بن عیسیٰ عن حریز بن عبد اللہ عن محمد بن مسلم عن ابی عبد اللہ قال اذا سئل الرجل منکم عما لا یعلم فلیقل لا ادری ولا یقل اللہ اعلم فیوقع

فی قلبہ حاجۃ تشکّا اذا قال المسئول لا ادری فلا یتّھمہ السائل،
حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی چیز کا کچھ سوال کیا جائے اور
وہ نہ جانتا ہو تو چاہیئے کہ وہ لا ادری کہدے یعنے میں نہیں جانتا اور اللّٰہ اعلم نہ کہے
کیونکہ اس قول سے وہ سائل کے دل میں شک پیدا کریگا (سائل خیال کریگا کہ یہ جانتا تو ہے
مگر بتاتا نہیں) اور جس وقت کہ لا ادری کہیگا، تو سائل اسے متہم نکریگا (یہ حدیث صحیح ہے)
الحدیث السابع الحسین بن محمدؒ عن معلّےٰ بن محمدؒ عن علے بن اسباط عن
جعفر بن محمدؒ بن سماعۃ عن غیر واحدٍ عن ابان عن زرارہ بن اعین
قال سئلت ابا جعفرؑ ما حق اللّٰہ علی العباد قال ان یقولوا ما یعلمون و
یقفوا عند ما لا یعلمون

زرارہ بن اعین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ بندوں پر اللّٰہ کا
حق کیا ہے (اس کی شرح فرمائیے) آپ نے فرمایا حق اللّٰہ بندوں پر یہ ہے کہ جو معلوم
ہو اُسے بیان کریں، اور جس امر کو نہیں جانتے اس میں توقف کریں (یہ حدیث ضعیف ہے)
یہ امر معلوم ہے کہ بندوں پر اللّٰہ کے حقوق بیشمار ہیں، اور جس حق کا ذکر اس حدیث میں کیا
گیا ہے اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ بس اسی امر میں حق اللّٰہ منحصر ہے یعنی اس مقام پر
انحصار نہیں ہوا ہے بلکہ قرینہ مقام یہ چاہتا ہے کہ اسوقت یا تو اسی مسئلہ کے متعلق گفتگو
ہو رہی ہو اور اس بارہمیں بھی جو حق الٰہی بندوں پر لازم ہے اس کا ذکر فرمایا ہو اور یا
ممکن ہے کہ اس حدیث میں عباد سے مُراد علمائے اہل کتاب و صاحبان فتویٰ ہوں
چنانچہ قرآن میں میثاق اہل کتاب کا ذکر بکثرت وارد ہوا ہے، اور وہ یہی ہے ان لا
یقولوا علی اللّٰہ الّا الحق و لا یفتروا علی اللّٰہ کذبا یعنے وہ سوائے حق اور
کچھ اللّٰہ کے بارہمیں نہ کہیں اور خدا پر بُہتان نہ باندھیں (ان آیات میں اگرچہ اہل کتاب
سے خطاب ہے) لیکن یہ حکم سب کے لیئے ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللّٰہ کا حق

واجب ایک یہ بھی ہے کہ جو کچھ کہیں علم حقیقی کی بنا پر کہیں، اور وہی فتوے دیں جو نص صریح کتاب یا سنت ثابتہ صحیحہ یا اجماع قطعی سے ثابت ہو، اور شبہات یا عدم علم کے مقام میں ان کا فرض سکوت ہے، علماء زاہدین اور فقہاء متورعین کا یہی طریقہ ہے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جسے سکوت اور زہد کی دولت ملی ہو، تو اس کی قربت اختیار کرو، وہ تمہیں حکمۃ کی تلقین کرے گا،

الحدیث الثامن علی بن ابراھیم عن ابیہ عن ابن ابی عمیر عن یونس عن ابی یعقوب واسحٰق بن عبد اللہ عن ابی عبد اللہ قال ان اللہ خصّ عبادہ بآیتین من کتابہ ان لا یقولوا حتی یعلموا ولا یردوا مالم یعلموا وقال تعالیٰ الم یؤخذ علیھم میثاق الکتاب ان لا یقولوا علی اللہ الا الحق وقال بل کذّبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولمّا یاتھم تاویلہ

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں کو اپنی کتاب میں اس امر سے مخصوص کیا ہے (ان کو تنبیہ کی ہے) کہ وہی کہیں جو جانتے ہوں اور جب تک نہ جان لیں کسی امر کی تردید نہ کریں، چنانچہ فرماتا ہے کہ اللہ نے کیا ان سے اپنی کتاب میں عہد نہیں لے لیا ہے، کہ اللہ کے بارہ میں سوائے حق و صدق اور کچھ نہ کہیں، نیز ارشاد ہوا ہے کہ بلکہ ان لوگوں نے اس امر کی تکذیب کی جبکہ ان کا علم محیط نہ تھا، حالانکہ اس کی اصلیت ان کے سامنے نہ آئی تھی، (یہ حدیث حسن ہے)

مطلب بالکل ظاہر ہے کہ بغیر علم کوئی بات منہ سے نہ نکالے اور جبتک کسی امر کو جانچ نہ لے اسکی تردید نہ کرے،

الحدیث التاسع علی ابن ابراھیم عن محمد بن عیسٰے عن یونس عن داؤد بن فرقد عمّن حدثہ عن ابن شبرمہ قال ما ذکرت حدیثا سمعت عن جعفر بن محمد الا کاد ان یتصدع قلبی قال حدثنی ابی عن جدی عن

رسول اللہ قال ابن شبرمہ و اقسم باللہ ما کذب ابوہ علی جدہ و لا جدہ علی رسول اللہ قال قال رسول اللہ من عمل بالمقاییس فقد ھلک واھلک ومن افتی الناس وھو لا یعلم الناسخ من المنسوخ والمحکم من المتشابہ فقد ھلک واھلک

ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ جب میں کسی حدیث کو بیان کرتا ہوں جو میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے سنی ہے تو قریب ہوتا ہے کہ میرا دل شگافتہ ہو جائے، حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے پدر بزرگوار نے اور ان سے میرے جد بزرگوار نے اور میرے جد بزرگوار سے رسول اللہ نے فرمایا، ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ حضرت کے والد نے آپ کے جد پر جھوٹ بولا اور نہ آپ کے جد بزرگوار نے رسول اللہ پر پس آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے ارشاد کیا کہ جس نے قیاسات پر عمل کیا وہ خود بھی ہلاک ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی ہلاک کیا اور جس نے لوگوں کو فتویٰ دیا دراں حالیکہ اسے ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کی تمیز نہیں تو وہ خود بھی ہلاک ہوا، اور اس نے دوسروں کو بھی ہلاک کیا (یہ حدیث ضعیف ہے)

اس حدیث میں قیاس سے قیاس منطقی مراد نہیں بلکہ وہ مراد ہے جسے اہل منطق تمثیل کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شے پر ہم کوئی حکم لگائیں اور اسواسطے لگائیں کہ دوسری چیز پر یہی حکم لگایا گیا ہے اور ان دونوں چیزوں میں ایک معنی کی شرکت پائی جاتی ہے، جیسا کہ ہم حکم لگا دیں، کہ عالم مختلف چیزوں سے بنا ہوا ہے، لہذا حادث ہوگا، اور اسکو مکان پر قیاس کریں یعنے یہ کہیں کہ مکان جو مختلف چیزوں سے بنا ہوا ہے وہ حادث ہے لہذا عالم بھی جو اشیائے مختلفہ سے تالیف یافتہ ہے حادث ہونا چاہیئے، ظاہر ہے کہ یہ ایک نہایت ہی پست دلیل ہے ہرگز مفید یقین نہیں ہو سکتی، یقین تو ایک طرف ظن قوی بھی اس سے حاصل نہیں ہو سکتا، اسکو قیاس فقہی کہتے ہیں کیونکہ فقہا نے اس کا نام قیاس رکھا ہے بہت سے فقہا مثل ابو حنیفہ صاحب ابو حنیفہ اسی قیاس کو دلیل شرعی سمجھتے ہیں اسی قیاس پر کاربند ہو کر مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور اس سے دین میں جو فساد پیدا ہوا ہے اور ہو سکتا ہے، وہ ظاہر ہے۔

قواعد وضوابط "کیف"

ہر ماہ شمسی کے پہلے ہفتہ اجمیر سے شائع ہوتا ہے۔

پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر مہینہ کی ۱۵ تک دفتر میں پہنچ جانی چاہئے۔ ورنہ بعد میں پرچہ قیمتاً ارسال کیا جائیگا۔

چندہ، سالانہ لعہ ر ششماہی عہ ر فی پرچہ ۸ ر

نمونہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا۔ صرفہ وی پی ہر حال میں ۴ ر زائد۔

مضامین، "حضرت رفیعی اجمیری" کے پتہ سے آنے چاہئیں۔ مضامین صاف اور خوشخط

ناپسندیدہ مضامین جوابی ٹکٹ آنے پر واپس کئے جا سکتے ہیں۔

جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا لازمی ہے، ورنہ عدم تعمیل کی شکایت

جملہ خط وکتابت اور ترسیل زر وغیرہ بنام مینیجر کیف "دفتر کیف" اجمیر شریف کے پتہ پر ہو

پتہ: حضرت رفیعی اجمیری، کوٹھی نواب حاجی محمد خاں صاحب مرحوم اجمیر شریف

{ نرخنامہ اشتہارات علاوہ سرورق حسب ذیل ہے }

پتہ: مینیجر دفتر کیف حویلی ... اجمیر شریف

تعداد طبع	ایک (۱) مرتبہ	تین (۳) مرتبہ	چھ (۶) مرتبہ	بارہ (۱۲) مرتبہ
پورا صفحہ	شہ ر	۱۴ ر	۲۴ ر	۴۰ ر
نصف صفحہ	لعہ ر	۸ ر	۱۴ ر	۲۴ ر
¼ صفحہ	عہ ر	۶ ر	۸ ر	۱۴ ر

سید وزیر علی نیازی مینیجر وپبلشر نے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر کیف اجمیر شریف سے شائع کیا